www.urducouncil.nic.in

فروری 2026 ، قیمت :- 15 ₹

ماہنامہ

بچوں کی دنیا

نئی دہلی

Monthly **BACHON KI DUNIYA**, New Delhi

قومی اردو کونسل کی فخریہ پیش کش

ماہنامہ اردو دنیا نئی دہلی

Monthly URDU DUNIYA, New Delhi

تمام تر رنگین صفحات اور دیدہ زیب تصاویر سے مزین ماہانہ عالمی جریدہ جسے آپ پوری دنیا میں اردو زبان کے کسی بھی ماہنامے سے بہتر پائیں گے۔ اردو کو آج کی دنیا سے جوڑنے والا اور عام اردو قاری و ادبی حلقوں کی دلچسپی کے ساتھ طلبا و اساتذہ کی ضرورتوں کا بھی خیال رکھنے والا اردو کا ماہنامہ

ہر شمارے میں پڑھیے، اردو کے ادبی شاہکاروں کے علاوہ، علمی مضامین، ادبی انٹرویو، تاریخ، سائنس، صحافت، نئی کتابوں پر تبصرے، قومی اردو کونسل کی سرگرمیوں، سمیناروں اور فروغ اردو سے متعلق نئی کاوشوں کا احوال اور بہت کچھ!

فی شمارہ: 25 روپے، سالانہ: 240 روپے

اردو زبان میں علم و آگہی کا معتبر ادبی جریدہ

سہ ماہی فکر و تحقیق

قومی اردو کونسل کی منفرد پیش کش

اردو زبان و ادب سے متعلق اہم تنقیدی و تحقیقی موضوعات پر فکر انگیز اور تلاش و جستجو کو صحیح سمت دینے والے مواد کے ساتھ ہر تین ماہ بعد منظر عام پر آنے والا نہایت سنجیدہ علمی مجلّہ خود بھی پڑھیں اور دوسروں کو بھی پڑھنے کا مشورہ دیں!

ہندوستانی خریداروں کے لیے سالانہ قیمت: 100 روپے، فی شمارہ: 25 روپے

(قومی اردو کونسل کی ویب سائٹ، http://www.urducouncil.nic.in پر بھی دستیاب)

آج ہی اپنے نزدیکی بک اسٹال سے طلب کیجیے یا ہم سے رابطہ کیجیے

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی 110066، فون: 26109746، فیکس: 26108159

E-mail.:ncpulsaleunit@gmail.com, sales@ncpul.in

اس شمارے میں

اداریہ	مدیر	04
ڈاک خانہ	قارئین	05
مضامین		
سائنس: کیا، کیوں، کیسے؟	جرار احمد	07
اسکول کے بچوں میں صفائی کی عادتیں	نوی رضا خان	10
فضا کو صاف کرنے والے گھریلو پودے	شیخ اسامہ شیخ ناصر	14
نظمیں		
وقت	مناظر حسن شاہین	17
لوریاں	راحت مظاہری	18
کشتی	حبیب سیفی	19
کھانا دو	فہیم احمد	20
چاند	فرحانہ نازنین	21
گلابی سردی	عافیہ	21
کہانیاں		
کھچڑی	انیس اعظمی	22
صبح کا بھولا	اقبال برکی	25
بجھا ہوا چراغ	محمد رشید پی	29
کھودا پہاڑ	شیخ حسین	31
شیر بیتی	محمد اسداللہ	36
پاپڑ والی بڑھیا	انور ہادی جنیدی	39
باتصویر کہانی		
داستاں گو آیا ہے (قسط 2)	رتن سنگھ	42
صحت		
بادام کے پانچ فوائد	عبدالمجید مکرو	48
گوشہ سائنس		
آواز: توانائی کی ایک شکل	عظیم اقبال	50
ہوا سے باتیں	عطا عابدی	52
تعارف و تبصرہ		
ایک سچ مچ کے راجکمار کی کہانی	شاداب شمیم	55
واقفیت عامہ		
تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات	ادارہ	58
ننھے فنکار		
پینٹنگ		59

بچوں کی دنیا
نئی دہلی

جلد: 14 شمارہ: 02 فروری 2026

مدیر : ڈاکٹر شمس اقبال

نائب مدیر : نہاں

ناشر اور طابع

ڈائرکٹر، قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان
وزارتِ تعلیم ـ محکمہ اعلیٰ تعلیم، حکومتِ ہند
فروغ اردو بھون، ایف سی 33/9، انسٹی ٹیوشنل ایریا،
جسولہ، نئی دہلی-110025
فون:49539000
شعبہ ادارت:49539009-11

ای میل
bachonkiduniya@ncpul.in
editor@ncpul.in

ویب سائٹ
http://www.urducouncil.nic.in

مطبع: میکاف پرنٹرس، B-127، سیکٹر 65، نوئیڈا۔201301 (یوپی)

قیمت: -/15 روپے، سالانہ: -/145 روپے

اس شمارے کے قلم کاروں کی آرا سے قومی اردو کونسل اور اس کے مدیر کا متفق ہونا ضروری نہیں

Total Pages: 64

’بچوں کی دنیا‘ کی خریداری کے لیے چیک، ڈرافٹ یا منی آرڈر بنام NCPUL، شعبہ فروخت کے پتہ پر بھیجیں اور وضاحت طلب امور کے لیے وہیں رابطہ فرمائیں۔

شعبہ فروخت
ویسٹ بلاک 8، ونگ 7، آر کے پورم
نئی دہلی - 110066
فون:26109746

ای میل:sales@ncpul.in

علاقائی مرکز: 110-7-22، تھرڈ فلور، ساجد یار جنگ کمپلکس
بلاک نمبر 1-5، پتھر گٹی، حیدرآباد- 500002
فون:040-24415194

پیارے بچو! تعلیم انسان کی زندگی کا سب سے قیمتی سرمایہ ہے۔ تعلیم ہی ہمیں اچھا انسان بننے، صحیح اور غلط کا فرق سمجھنے اور زندگی میں آگے بڑھنے کا راستہ دکھاتی ہے۔ اس کے بغیر انسان اندھیرے میں بھٹکتا رہتا ہے، اسی کی بدولت قومیں ترقی کرتی ہیں۔ تعلیم اور علوم کے بہت سے شعبے ہیں، جیسے ادب، تاریخ، جغرافیہ، ریاضی اور سائنس۔ ان میں سے ہر علم کی اپنی اہمیت ہے، لیکن موجودہ دور میں سائنس کی تعلیم کو خاص مقام حاصل ہے۔ سائنس دراصل سوال کرنے، غور و فکر کرنے اور تجربے کے ذریعے سچ تک پہنچنے کا نام ہے۔

بچو! آج ہماری روزمرہ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جس میں سائنسی ترقیات و ایجادات کا عمل دخل نہ ہو۔ بجلی، موبائل فون، کمپیوٹر، انٹرنیٹ، گاڑیاں، ٹرینیں، ہوائی جہاز، اسپتالوں میں جدید علاج یہ سب سائنس کی دین ہیں۔ سائنس نے نہ صرف ہماری زندگی کو آسان بنایا ہے بلکہ ہمیں وقت کی بچت، بہتر سہولتیں اور زیادہ آرام بھی فراہم کیا ہے۔ سائنس کی تعلیم ہمیں صرف معلومات نہیں دیتی بلکہ سوچنے کا سلیقہ بھی سکھاتی ہے۔ یہ ہمیں اندھی تقلید سے بچاتی ہے اور دلیل کے ساتھ بات کرنا سکھاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسرے علوم کے ساتھ ساتھ سائنس کی تعلیم بھی بے حد ضروری ہے۔ ایک اچھا طالب علم وہی ہوتا ہے جو ادب سے اخلاق سیکھے، تاریخ سے سبق لے اور سائنس سے مستقبل کی راہیں تلاش کرے۔ اگر سائنس نہ ہوتی تو آج کی دنیا کا تصور بھی ممکن نہ تھا۔

پیارے بچو! دنیا کے عظیم سائنس دانوں نے اپنی محنت اور لگن سے انسانیت کی خدمت کی ہے۔ آئزک نیوٹن، تھامس ایڈیسن، الیگزینڈر گراہم بیل اور میری کیوری نے سائنسی تحقیق میں نئی راہیں نکالیں اور ہندوستانی سائنس دانوں میں سی وی رمن، ہومی جہانگیر بھابھا، میگھناد ساہا، وکرم سارا بھائی اور ڈاکٹر اے پی جے عبد الکلام نے اپنی سائنسی ایجادات سے ملک کو مضبوط بنانے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ ان سب کی زندگیاں ہمیں محنت، جستجو اور علم سے محبت کا درس دیتی ہیں۔

آج ہم اکیسویں صدی میں سانس لے رہے ہیں، جسے ٹکنالوجی کی صدی کہا جاتا ہے۔ کمپیوٹر، روبوٹ، انٹرنیٹ، خلائی تحقیق اور جدید سائنسی ایجادات نے دنیا کو تیزی سے بدل دیا ہے۔ ایسے دور میں اپنے وجود کو باقی رکھنے اور قوم و ملک کی ترقی و تعمیر میں مثبت کردار ادا کرنے کے لیے سائنس کی تعلیم بے حد ضروری ہے۔

پیارے بچو! تعلیم کو اپنا مقصد بنائیں، سائنس کی نئی نئی معلومات سے دلچسپی لیں، ان کا مطالعہ کریں اور سوال پوچھنے سے کبھی نہ گھبرائیں۔ کیونکہ تعلیم اور سائنس ہی روشن مستقبل کی اصل بنیاد ہیں۔

آپ کا

شمس اقبال

ڈاک خانہ

بچوں کی دنیا دسمبر 2025 کا شمارہ باصرہ نواز ہوا۔ اس شمارے میں میری نظم بعنوان "اپنا گھر" شامل کرنے کے لیے میں آپ کا اور بچوں کی دنیا کی پوری ٹیم کا شکریہ ادا کرتی ہوں۔ یہ رسالہ ہر مہینے ایک نئی روشنی لے کر آتا ہے جس کے ساتھ ہم لوگ سفر کرتے ہوئے ذہن و دل میں فرحت و تازگی محسوس کرتے ہیں۔ اس ماہ کے شمارے نے بھی نئی دنیا کی سیر کرائی، مضامین میں ارباز احمد کا مضمون ''ایجادات کی دنیا'' بہت اچھا لگا اس میں ایجاد و اختراع کے بارے میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد جاوید احمد سعیدی کامٹوی کا مضمون ''آلودگی'' بھی بہت خوب ہے جس میں آلودگی سے ہونے والے نقصانات و امراض بڑے اچھے انداز میں پیش کیے گئے ہیں۔ اس شمارے کی نظمیں بھی بے حد پسند آئیں۔ کہانیوں کے حصے میں مشتاق کریمی کی کہانی ''صداقت'' بہت پسند آئی۔ اس کے علاوہ شگفتہ تبسم کی کہانی ''راہِ یقین'' بھی بہت سبق آموز ہے۔ فرحین انجم کی ''آصف کا موبائل'' رومانہ عفت راہی کی ''سردیوں کی راتیں'' ثانیہ بانو کی کہانی ''جگری دوست'' اور بقیہ کہانیاں بھی بہترین ہیں۔ آخر میں ''چمن چمن کے پھول'' میں شامل منتخب اشعار نے ذہن و دل کو گدگدایا اور ننھے فنکاروں کی پینٹنگز نے بھی آنکھوں کو فرحت بخشی۔

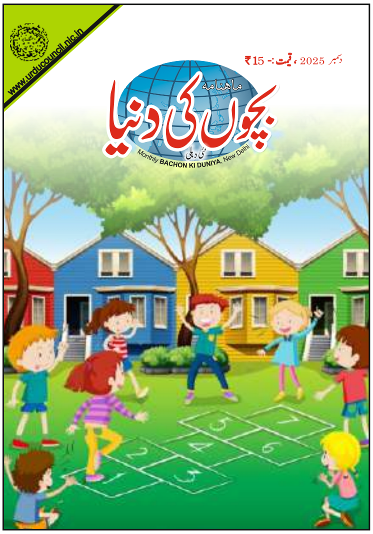

عربینہ رفعت محمد واجد، انصار نگر برہان پور مدھیہ پردیش

ماہنامہ بچوں کی دنیا دسمبر 2025 کا رسالہ موصول ہوا، ملتے ہی خوشی کا ٹھکانہ نہیں رہا۔ اس بار خوشی دوبالا ہوگئی ایک تو رسالہ ملنے کی خوشی دوسری میری کہانی بعنوان ''جگری دوست'' دسمبر کے شمارے میں شائع ہونے کی خوشی، کہانی شائع کرنے کے لیے میں مدیر اور بچوں کی دنیا دہلی کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میں اس رسالے کی ماہانہ خریدار ہوں، ہر ماہ بہت لگن اور دلچسپی سے اس کا مطالعہ کرتی ہوں۔ اس رسالے نے میرے پڑھنے لکھنے کے شوق میں اضافہ کیا ہے۔ اس شمارے کے صفحات پلٹتے ہی پہلے مضمون کی طرف نظر جاتی ہے جس کا عنوان

"ایجادات کی دنیا" جو بڑا ہی معلوماتی مضمون ہے۔اس میں بتایا گیا آج ہم جس سہولت اور آسانی سے زندگی گزار رہے ہیں وہ سب ان ایجادات کی بدولت ممکن ہوا ہے۔ دوسرا مضمون جس کا عنوان "آلودگی" Pollution ہے جو آج دنیا کا سنگین مسئلہ بن چکا ہے جس سے کئی بیماریاں ہمارے جسم میں رونما ہو رہی ہے اس مضمون میں آلودگی کی مختلف قسموں کا بیان کیا گیا ہے۔ معاشرے کی بھلائی میں ایسے مضمون کارگر ثابت ہوتے ہیں۔ نظموں میں "میں کسان بنوں گا"، "میری اچھی آپا آؤ"، "جیسی مینا ہوتی ہے"، "نیک کام"، "صاف صفائی" اور "اپنا گھر" وغیرہ نظمیں بہت پسند آئیں۔ نظم "صاف صفائی" جو ہمارے لیے بہت اہم ہے ہمیں بچپن سے سکھایا جاتا ہے کہ پاکیزگی آدھا ایمان ہے لہٰذا صاف رہنا بہت ضروری ہے۔ "اپنا گھر" نظم میں انسان اپنے گھر سے جو جذباتی لگاؤ رکھتا ہے اس کی عکاسی اچھے انداز میں کی گئی ہے۔ ڈرامہ اور کہانیوں کا انتخاب بھی عمدہ ہے ایک کہانی جو قابل توجہ بنی وہ تھی "راہ یقین" جس میں بہت اچھی بات کہی گئی ہے کہ "ہار ہو جاتی ہے جب مان لیا جاتا ہے اور جیت تب ہوتی ہے جب ٹھان لیا جاتا ہے" ایسے ہی کہانیاں اور مضامین نے مطالعہ کرنے کی جستجو برقرار رکھی ہے۔ اللہ کرے یہ رسالہ خوب ترقی کرے اس کی چمک ہمیشہ برقرار رہے، اس کا دائرہ اور وسیع ہوتا جائے آمین

ثانیہ رحیم، ڈولا میاں کی مسجد کے پاس سندھی پورہ برہان پور ایم پی

ماہنامہ بچوں کی دنیا نومبر 2025 کا شمارہ موصول ہوا، پڑھ کر خوشی ہوئی کہ نومبر ماہ کا شمارہ بھی بچوں کی دنیا کے دیگر گزشتہ شماروں کی طرح عمدہ اور خوبصورت ہے۔

بچوں کی دنیا ایک نہایت معیاری، دلچسپ اور معلوماتی رسالہ ہے جو نہ صرف بچوں کی علمی اور تخلیقی نشوونما میں اہم کردار ادا کرتا ہے بلکہ ان کے اندر مطالعے کا شوق بھی بیدار کرتا ہے اور یہ بچوں کی دلچسپی، ذہنی سطح اور عمر کے تقاضوں کو سامنے رکھتے ہوئے نہایت خوبصورت انداز میں بہت عرق ریزی سے تیار کیا جاتا ہے۔

اس کے ہر شمارے میں کہانیاں، نظم، تعلیمی مضامین، تاریخی واقعات، سائنس اور جنرل نالج کے موضوعات پر مفید تحریریں شامل ہوتی ہیں جو بچوں کے علم میں اضافہ کرتی ہیں۔ رسالے کی زبان نہایت آسان اور رواں ہے جو بچوں کی عمر اور سمجھ کے مطابق ہے۔

بچوں کی دنیا نومبر 2025 کے شمارے میں ایک مضمون 'بچوں کے حقوق کا عالمی دن' اس کے مصنف اسید اشہر ہیں، یہ مضمون نہایت معلوماتی اور بچوں کے حقوق کی اقسام، ان کی اہمیت اور اقوام متحدہ کی کاوشوں کو سادہ زبان میں بیان کیا گیا ہے۔

مجموعی طور پر بچوں کی دنیا ایک بہترین تعلیمی و تفریحی رسالہ ہے جو بچوں کے لیے علم واخلاق اور مثبت سرگرمیوں کا خوبصورت مجموعہ ثابت ہوا ہے۔ میں امید کرتی ہوں کہ یہ رسالہ اسی معیار کے ساتھ آئندہ بھی شائع ہوتا رہے گا اور بچوں کی تعلیم و تربیت میں اپنا اہم کردار ادا کرتا رہے گا۔

نگار یاسمین، بی اے بی ایڈ، اردو
سمسٹر ایک آر آئی اجمیر (این سی ای آر ٹی)

سائنس: کیا، کیوں، کیسے؟

جرار احمد

بچو! ہم جس دنیا میں رہتے ہیں وہ حیرتوں سے بھری ہوئی ہے۔ آسمان پر سورج کیوں نکلتا ہے؟ بارش کیسے ہوتی ہے؟ بٹن دبانے سے پنکھا کیوں چلنے لگتا ہے؟ بیج مٹی میں ڈالیں تو پودا کیسے اُگ آتا ہے؟ ان سب سوالوں کے جواب جس علم میں ملتے ہیں، اُسے سائنس کہتے ہیں۔ سائنس ہمیں چیزوں کو دیکھنے، سمجھنے آزمانے اور تجربہ کرنے کا ہنر اور سلیقہ سکھاتی ہے۔ یہ مضمون آپ کو آسان اور دلچسپ انداز میں بتائے گا کہ سائنس کیا ہے، کیوں ضروری ہے، اور کیسے سیکھی جاتی ہے۔

سائنس کیا ہے؟

سائنس دراصل سوال پوچھنے، غور وفکر کرنے اور تجربہ کرنے کا نام ہے۔ جب ہم کسی بات پر صرف یقین نہیں کرتے بلکہ اس کی وجہ جاننا چاہتے ہیں، تو ہم سائنس کی طرف قدم بڑھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر، اگر کوئی کہے کہ آسمان نیلا ہوتا ہے، تو سائنس پوچھتی ہے: کیوں؟ پھر روشنی، ہوا اور سورج کی کرنوں کا مطالعہ کر کے جواب تلاش کرتی ہے۔

سائنس کتابوں میں بند الفاظ نہیں بلکہ روزمرہ زندگی کا حصہ ہے۔ پانی کا ابلنا، برف کا پگھلنا، آئینے میں اپنا عکس دیکھنا، موبائل فون پر بات کرنا، یہ سب سائنس کے ہی کرشمے ہیں۔ سائنس ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ چیزیں کس قانون کے تحت کام کرتی ہیں اور اگر ہم ان قوانین کو سمجھ لیں تو زندگی آسان بن جاتی ہے۔

سائنس کیوں ضروری ہے؟

سائنس صرف امتحان پاس کرنے کے لیے نہیں، بلکہ سمجھدار اور خوداعتماد انسان بننے کے لیے ضروری ہے۔ اس کے کئی فائدے ہیں:

1. غور وفکر کی قوت میں اضافہ کرتی ہے: سائنس بچوں میں تجسس پیدا کرتی ہے۔ بچہ سوال کرتا ہے، وجہ تلاش کرتا ہے اور نتیجہ نکالتا ہے۔ سوال کرنا ایک فن ہے اسے ہر طالب علم کو سیکھنا چاہیے۔
2. مسئلے حل کرنا سکھاتی ہے: جب کوئی مسئلہ آئے تو گھبرانے کے بجائے سائنس حل کے بارے میں سوچنا سکھاتی ہے۔
3. روزمرہ زندگی آسان بناتی ہے: بجلی، پانی، صحت، سفر یہ سب سائنس کی بدولت بہتر ہوئے ہیں۔
4. صحت اور حفظان صحت میں مدد دیتی ہے: سائنس کی بدولت ہمیں بیماریوں سے بچاؤ، صاف پانی، متوازن غذا اور دواؤں کے بارے میں علم ملتا ہے۔ ویکسین، ایکسرے، تھرمامیٹر اور سینیٹائزر سب سائنس کی دین ہیں جو ہمیں محفوظ رکھتی ہیں۔
5. دنیا کو بہتر بناتی ہے: سائنس نے انسان کو چاند تک

پہنچایا، سمندر کی گہرائیوں کا راز کھولا اور نئی نئی ایجادات سے دنیا کو روبرو کرایا۔ آج ہم آن لائن پڑھ سکتے ہیں، ویڈیو کال کر سکتے ہیں اور لمحوں میں خبریں جان سکتے ہیں، اس کے علاوہ دنوں کا سفر لمحوں میں کر سکتے ہیں۔

6. سائنس اور ٹیکنالوجی نے تعلیم کو ڈیجیٹل دور سے ہم آہنگ کر دیا ہے، جہاں سائبر اور آن لائن لائبریریاں، ورچوئل لیبز، ٹرانسلیشن ٹولز اور تعلیمی ایپس اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔ آن لائن لائبریریوں میں نیشنل ڈیجیٹل لائبریری آف انڈیا (NDLI)، گوگل بکس، انٹرنیٹ آرکائیو، پروجیکٹ گٹنبرگ، شودھ گنگا (Shodhganga) اور بے اسٹور (JSTOR) شامل ہیں، جو بچوں کو گھر بیٹھے معیاری علمی مواد فراہم کرتی ہیں۔

7. زبان کی رکاوٹ کو ختم کرنے کے لیے ترجمے کے ایپ نہایت مفید ہیں، جن میں گوگل ٹرانسلیٹ، مائیکروسافٹ ٹرانسلیٹر، ڈیپ ایل (DeepL) کے ساتھ ساتھ حکومت ہند کے آلات ایپ جیسے بھاشنی (BHASHINI)، سی-ڈیک ٹرانسلیشن ٹولز اور راج بھاشا ویب سائٹس شامل ہیں، جو ہندوستانی زبانوں میں علم کی ترسیل کو آسان بناتے ہیں۔

8. اسی طرح تعلیمی ایپس مثلاً ویدانتو، ان اکیڈمی، کورسیر اور SWAYAM طلبہ میں خود سیکھنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہیں اور تعلیم کو زیادہ مؤثر بناتی ہیں۔

9. ورچوئل لیبز جیسے ورچوئل لیبز (OLabs, PhEt Interactive Simulations (MHRD) امریتا ورچوئل لیبز اور LabXchange بچوں کو محفوظ ماحول میں سائنسی تجربات سکھاتی ہیں، پیارے بچو! یہ سب سائنس کی وجہ سے ممکن ہوا ہے۔

اب رہا سوال یہ کہ سائنس کیسے سیکھی جاتی ہے: سائنس صرف رٹنے سے نہیں بلکہ سمجھنے اور کرنے سے سیکھی جاتی ہے۔ سائنس سیکھنے کے چند آسان طریقے یہ ہیں:

- سوال پوچھیں: جو بات سمجھ نہ آئے، اس کے بارے میں سوال کریں۔
- مشاہدہ کریں: چیزوں کو غور سے دیکھیں، جیسے پورا کیسے بڑھتا ہے یا سایہ کیسے بنتا ہے۔
- تجربہ کریں: چھوٹے چھوٹے تجربے کریں، مثلاً پانی میں نمک ڈال کر دیکھنا کہ وہ کہاں جاتا ہے۔
- غلطی سے نہ ڈریں: سائنس میں غلطی بھی سیکھنے کا ذریعہ ہوتی ہے۔

پیارے بچو! آج کی تعلیم جدید سائنسی ایجادات سے بہت فائدہ اٹھا رہی ہے۔ ایل ای ڈی لائٹس (LED Lights) کی وجہ سے اسکولوں اور کلاس رومز میں کم بجلی خرچ کرنے والی ایسی روشنی ملتی ہے، جس سے بچوں کی آنکھوں پر کم زور پڑتا ہے اور وہ بہتر طریقے سے پڑھتے اور سیکھتے ہیں۔ اسی طرح سے بھوت گاڑی والی کہانی آپ سب نے سنی ہوگی جو بنا ڈرائیور کے چلتی تھی اور کچھ لوگ ڈر کے مارے سڑک سے ہٹ جاتے اور بچے حیرت سے آنکھیں پھیلا کر اسے دیکھتے۔ پھر استاد نے بچوں کو بتایا کہ یہ بھوت گاڑی نہیں بلکہ ڈرائیور لیس کار ہے۔ اس کے اندر ایک ذہین کمپیوٹر اور ننھے ننھے سینسر ہوتے ہیں، جو آنکھوں کی طرح سڑک، سگنل اور لوگوں کو پہچانتے ہیں۔

یہ کار اصولوں پر چلتی ہے، رفتار کا خیال رکھتی ہے اور حفاظت کو مقدم رکھتی ہے۔ یہ سن کر بچوں کا ڈر ختم ہو گیا اور تجسس بڑھ گیا۔ اب وہ سمجھ گئے کہ جس چیز سے ہم ڈرتے ہیں، اسے اگر سمجھ لیا جائے تو وہ علم اور فائدے کا ذریعہ بن جاتی ہے۔ یوں ڈرائیورلیس کار نے بچوں کو یہ سبق سکھایا کہ ٹیکنالوجی ہمیں عقل، اصول اور حفاظت کے ساتھ زندگی گزارنا سکھاتی ہے۔

طب کے میدان میں ریڈیالوجی میں ترقی (Radiology Advancements) جیسے ایکسرے اور اسکین ہمیں انسانی جسم کے بارے میں سکھاتے ہیں، جس سے بچوں میں صحت اور جسمانی اعضا کو جاننے کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ مائیکرو چپ (Microchip) چھوٹی سی ہونے کے باوجود کمپیوٹر، اسمارٹ بورڈ اور ٹیبلٹ کو چلانے میں مدد دیتی ہے، جو آج کی تعلیم کا اہم حصہ بن چکے ہیں۔

پیارے بچو! آپ نے مصنوعی ذہانت کا نام ضرور سنا ہوگا اور اسے ضرورت کے مطابق یقیناً استعمال بھی کر رہے ہوں گے۔ مصنوعی ذہانت (Artificial Intelligence) کی مدد سے تعلیمی ایپس بچوں کو ان کی رفتار کے مطابق سکھاتی ہیں، سوال پوچھتی ہیں اور فوری جواب دیتی ہیں۔ لیتھیئم بیٹری (Lithium Battery) موبائل، لیپ ٹاپ اور ٹیبلٹ کو زیادہ دیر تک چلنے کی طاقت دیتی ہے، جس سے آن لائن پڑھائی میں آسانی ہوتی ہے۔ اسی طرح پہننے والی ٹیکنالوجی (Wearable Technology) جیسے اسمارٹ واچ بچوں کو وقت کی پابندی، قدموں کی گنتی اور صحت کا خیال رکھنا سکھاتی ہے۔

پیارے بچو! سائنس اور ٹکنالوجی کی یہ تمام ایجادات ہمیں یہ سمجھاتی ہیں کہ سائنس صرف کتابوں میں نہیں بلکہ اسکول، گھر اور کھیل کے میدان تک ہمارے ساتھ رہتی ہے۔

ہر سال 28 فروری کو یوم سائنس منایا جاتا ہے تاکہ بچوں اور بڑوں میں سائنس کے تئیں دلچسپی پیدا ہو۔ اس دن اسکولوں اور کالجوں میں سائنسی نمائشیں، ماڈلز، تجربات اور تقاریر ہوتی ہیں۔ یومِ سائنس ہمیں یہ یاد دلاتا ہے کہ سائنس صرف لیبارٹری تک محدود نہیں بلکہ ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ ہے۔ اس دن ہمیں یہ عہد کرنا چاہیے کہ ہم سوال پوچھیں گے، سچ تلاش کریں گے اور علم کو انسانیت کی بھلائی کے لیے استعمال کریں گے۔

پیارے بچو! سائنس سے ڈرنے کے بجائے اسے اپنا دوست بنائیں۔ ہر سوال آپ کو ایک نئی دنیا کی طرف لے جاتا ہے۔ یاد رکھیں، آج کے تجسس کرنے والے بچے ہی کل کے عظیم سائنس دان، فلسفی، ڈاکٹر، انجینئر اور موجد بنتے ہیں۔

کھلی آنکھوں سے دیکھیں، کھلے دل سے سوچیں اور سچ جاننے کی کوشش کرتے رہیں۔ یہی سائنس کا اصل سبق ہے۔

سیکھتے رہیں، سوال کرتے رہیں، اور آگے بڑھتے رہیں۔

■

Dr. Jarrar Ahmad
Assistant Professor, Dept of Education & Training, MANUU
Hyderabad (Telangana)
Mob.: 9618783492
jarrar@manuu.edu.in

نوی رضاخان

اسکول کے بچوں میں صفائی کی عادتیں

صفائی انسان کی زندگی کا ایک بنیادی اصول ہے۔ یہ صرف ہمارے جسم، کپڑوں یا گھر کی صفائی تک محدود نہیں، بلکہ ہماری سوچ، عادتوں اور شخصیت کی تعمیر میں بھی نمایاں کردار ادا کرتی ہے۔ بچوں کے لیے صفائی کی اہمیت اور بھی زیادہ ہے، کیونکہ بچپن میں ڈالی گئی عادتیں ساری زندگی ساتھ رہتی ہیں۔ اسی لیے اسکول ہو یا گھر بچوں کو صفائی کا سلیقہ سکھانا ضروری ہے۔

آج ملک بھر میں 'سوچھ بھارت ابھیان' نے صفائی کو ایک نئی جہت دی ہے۔ اس مہم نے نہ صرف بڑوں بلکہ بچوں میں بھی صفائی کے لیے ایک نیا جذبہ اور احساسِ ذمے داری پیدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسکولوں میں صفائی کے پروگرام، کچرا دان کا صحیح استعمال، پانی بچانے کی ضرورت اور ماحول دوست سرگرمیوں میں بچوں کی دلچسپی بڑھ رہی ہے۔

1. بچپن میں صفائی کی اہمیت

بچوں کی شخصیت پر صفائی کے دوررس اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ صرف صحت تک محدود نہیں رہتی بلکہ ان کی عادتوں، نظم وضبط، رویوں، سوچ اور سیکھنے کی رفتار پر براہِ راست اثر ڈالتی ہے۔

صفائی بچوں میں:

- نظم وضبط پیدا کرتی ہے۔
- ذمے داری کا احساس بیدار کرتی ہے۔
- خوداعتمادی بڑھاتی ہے۔
- دوسروں کے لیے احترام کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔
- سماجی شعور کو پروان چڑھاتی ہے۔

جب بچہ اپنے جوتے سلیقے سے رکھتا ہے، بستہ

صاف رکھتا ہے، کلاس میں چیزیں ترتیب سے رکھتا ہے، تو یہ چھوٹی چھوٹی عادتیں اسے زندگی کے بڑے بڑے اصولوں کی طرف لے جاتی ہیں۔

2. اسکول: صفائی سیکھنے کا بہترین مقام

گھر میں والدین بچے کو ذاتی صفائی کا طریقہ سکھاتے ہیں جیسے نہانا، دانت صاف کرنا، صاف کپڑے پہننا وغیرہ لیکن اسکول وہ جگہ ہے جہاں بچہ پہلی بار اجتماعی صفائی یعنی Social Cleanliness کا عملی تجربہ حاصل کرتا ہے۔

اسکول میں بچہ سیکھتا ہے:

- کلاس روم کو صاف رکھنا
- ٹفن کھانے کے بعد کچرا ڈبے میں ڈالنا
- ٹوائلٹ کا صحیح اور صاف ستھرا استعمال
- کھیل کے میدان میں صفائی کا خیال رکھنا
- مل کر صفائی کرنا ایک اجتماعی ذمے داری ہے

اساتذہ جب خود صفائی کا خیال رکھتے ہیں اور بچوں کو روزانہ اس کی اہمیت سمجھاتے ہیں تو بچے اس عادت کو جلدی اپنا لیتے ہیں۔

3. سوچھ بھارت ابھیان اور بچوں کا نیا جوش

سوچھ بھارت ابھیان نے بچوں کو صفائی کی طرف خصوصی طور پر متوجہ کیا ہے۔

اس مہم کے بعد ملک کے بیشتر اسکولوں میں مختلف سرگرمیاں شروع ہوئیں، جیسے:

- صفائی سب کے لیے (Cleanliness Drive)
- ایک دن صفائی مہم
- پلاسٹک فری اسکول
- کچرا الگ کرنا (خشک اور گیلا)
- صفائی ریلی
- شجرکاری
- میں بھی صفائی کا ذمے دار (Student Ambassdor Program)

بچے ان سرگرمیوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ یہ سرگرمیاں صرف تفریح نہیں ہوتیں بلکہ بچوں کو عملی طور پر ذمے داری سکھاتی ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ جب یہ بچے گھر جاتے ہیں تو اپنے والدین کو بھی صفائی کی طرف راغب کرتے ہیں۔ اس طرح ایک اسکول کی کوشش پورے محلے اور معاشرے کے لیے مثال بن جاتی ہے۔

4. صفائی اور بچوں کا شہری شعور (Civic Sense)

شہری شعور سے مراد ہے ایسا رویہ اور سوچ جس میں انسان سماج کی بھلائی کے لیے خود کو ذمے دار سمجھے۔

بچوں میں یہ شعور صفائی کی عادتوں سے ہی پروان چڑھتا ہے۔

صفائی کی وہ عادتیں جو بچوں میں شہری شعور پیدا کرتی ہیں:

- کچرادان کا درست استعمال

  یہ بچے کو نظم، ترتیب اور ذمے داری سکھاتا ہے۔
- پانی کی بچت

  ٹونٹی بند کرنا، ضرورت کے مطابق پانی استعمال کرنا انھیں ماحول دوست بناتا ہے۔
- ٹوائلٹ ہائجین

  صاف ستھرے طریقے سے ٹوائلٹ کا استعمال بچوں کو سماجی تہذیب سکھاتا ہے۔
- گلی، پارک یا اسکول میں گندگی نہ پھیلانا

یہ اجتماعی زندگی کا ادب ہے۔

- کچرے کو الگ کرنا (ری سائیکلنگ کی ابتدائی سمجھ) یہ بچوں میں سائنس، ماحول اور مستقبل کے لیے سنجیدگی پیدا کرتا ہے۔

یہ چھوٹی عادتیں بچوں کو مستقبل کا ایک ذمے داری شہری بناتی ہیں۔

5. چھوٹے قدم — بڑا بدلاؤ

بچے اکثر بڑوں کی نسبت زیادہ جلدی تبدیلی اپناتے ہیں۔

یہ چند چھوٹے قدم بہت بڑا فرق پیدا کرتے ہیں:

1. روزانہ اسکول بیگ صاف رکھنا
2. ڈیسک اور کرسی ترتیب سے رکھنا
3. ٹفن کے بعد کچرا فوراً ڈبے میں ڈالنا
4. پانی کا استعمال سوچ سمجھ کر کرنا
5. صفائی پر کسی ساتھی کو پیار سے سمجھانا
6. اپنے کھیل کے سامان کو خود صاف کرنا

یہ عادتیں نہ صرف بچے کی زندگی سنوارتی ہیں بلکہ اسکول کے ماحول کو بھی خوشگوار بناتی ہیں۔

6. اساتذہ اور والدین: راستے کے دو مضبوط ستون

بچہ وہی سیکھتا ہے جو دیکھتا ہے

لہٰذا اساتذہ اور والدین کا نمونہ بن کر رہنا بے حد ضروری ہے۔

اساتذہ کے لیے چند آسان اقدامات

- روزانہ 2-1 منٹ صفائی پر گفتگو

- کلاس میں ’صفائی مانیٹر‘ مقرر کرنا
- ہفتہ وار صفائی سرگرمی
- صفائی کے پوسٹر، نعرے، چارٹ
- بچوں کے ساتھ شجر کاری

والدین گھر میں کیا کر سکتے ہیں؟

- بچے کو اپنے کمرے کی صفائی سکھانا
- کھلونوں کو ترتیب سے رکھنے کی عادت ڈالنا
- کھانے کے بعد صفائی کی ذمے داری
- گھر میں ہفتہ وار ’صفائی کا دن‘ منانا
- خود مثال بن کر دکھانا

جب گھر اور اسکول ساتھ مل کر کوشش کرتے ہیں تو بچہ صفائی کو زندگی کا اصول بنا لیتا ہے۔

7. صفائی کا بچوں کی ذہنی نشو ونما پر اثر

ایک صاف ستھرا ماحول بچے کے ذہن پر مثبت اثر ڈالتا ہے۔

تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ صاف جگہ:

- توجہ بڑھاتی ہے
- سیکھنے کی صلاحیت بہتر کرتی ہے
- ذہنی دباؤ کم کرتی ہے
- بچوں کو خوش مزاج بناتی ہے
- بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہے

یعنی صفائی جسمانی کے ساتھ ساتھ ذہنی صحت کے لیے بھی ضروری ہے۔

8. مستقبل کا شہری: بچوں کی اہم ذمے داری

آج کے بچے کل کے نوجوان اور پھر ملک کے مستقبل ساز ہوں گے۔

اگر بچپن سے ہی ان میں صفائی کی عادتیں ڈالی جائیں، تو وہ بڑے ہو کر:

- اپنے گھر کو صاف رکھیں گے
- دفتر اور کام کی جگہ پر صفائی کا خیال رکھیں گے
- ماحول کا محافظ بنیں گے
- معاشرے اور ملک کی بہتری میں اپنا کردار نبھائیں گے

صفائی صرف ایک عادت نہیں، بلکہ ایک طرزِ زندگی ہے

9. نتیجہ: صاف عادتیں، روشن مستقبل

آخر میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ بچوں میں صفائی کی عادتیں ڈالنا ہمارے روشن مستقبل کی ضمانت ہے۔

سوچھ بھارت ابھیان نے ان عادتوں کو ایک نئی سمت دی ہے۔

جب بچے صفائی کو اپنا فرض سمجھتے ہیں تو وہ خود بھی صاف رہتے ہیں، دوسروں کو بھی صفائی کی طرف راغب کرتے ہیں اور معاشرے کو بہتر بناتے ہیں۔

ہم سب کا فرض ہے کہ ہم بچوں کو صفائی کا پیغام دیں، ان کی حوصلہ افزائی کریں اور انھیں آگے بڑھنے میں مدد کریں، کیونکہ:

”صفائی بچوں کی عادت بنے تو ملک کی پہچان بن جاتی ہے۔“

■

Navi Raza Khan
Research Scholar
College of Teacher Eduction
Darbhanga - 846001 (Bihar)
Dept of Education and Training
MANUU, Hyderabad- 500032 (Telangana)
Mob.: 9304099184
navirazamanuu@gmail.com

فضا کو صاف کرنے والے گھریلو پودے

شیخ اسامہ شیخ ناصر

بچو! ہم سب جانتے ہیں کہ پیڑ پودے ہماری زندگی میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔ یہ پیڑ پودے نہ صرف ہم کو پھول و پھل دیتے ہیں بلکہ ہمیں زندگی جینے کے لیے صاف ہوا اور آکسیجن فراہم کرتے ہیں۔ تازہ ہوا اور آکسیجن ہماری صحت کے لیے بہت مفید ہیں کیونکہ اس سے ہمارا جسم تر و تازہ رہتا ہے، دماغ اچھا کام کرتا ہے اور ہم زیادہ خوشی محسوس کرتے ہیں، لیکن آج کے دور میں شہروں کے اندر بڑھتی ہوئی آلودگی اور گھروں میں بند ماحول کی وجہ سے ہمیں صاف ستھری ہوا کم ہی نصیب ہوتی ہے، ایسے میں گھریلو پودے (Indoor plants) ہماری مدد کر سکتے ہیں۔ یہ نہ صرف ہوا کو صاف کرتے ہیں بلکہ ہمارے گھر کو بھی خوبصورت اور خوشبودار بناتے ہیں۔

انڈور پودے کیا ہیں؟

انڈور پودے وہ پودے ہوتے ہیں جو کم روشنی اور محدود جگہ میں بھی اچھی طرح نشو و نما پا سکتے ہیں۔ ان کے لیے کھلی زمین یا بڑی جگہ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ انھیں گملوں میں گھر کے اندر رکھ سکتے ہیں، ان پودوں کی خاص بات یہ ہے کہ یہ نہ صرف آکسیجن پیدا کرتے ہیں بلکہ زہریلے ذرات و دھواں اور نقصان دہ کیمیکل بھی جذب کر لیتے ہیں جس سے ہمارا ماحول صاف، صحت مند ہوتا ہے۔ ان میں کچھ پودے ایسے بھی ہوتے ہیں جو رات کے وقت بھی آکسیجن فراہم کرتے ہیں۔

پودے ہوا کو صاف کیسے کرتے ہیں؟

پودے دن کے وقت شعاعی ترکیب (Photo-synthesis) کے عمل کے ذریعے کاربن ڈائی آکسائیڈ کو جذب کرتے ہیں اور آکسیجن خارج کرتے ہیں۔ یہ عمل فطرت کا ایک حسین تحفہ ہے۔ جدید تحقیقات سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ پیڑ پودوں میں انجذاب (Adsorption) اور جذب (Absorption) کی قوت بھی موجود ہوتی ہے جس کی مدد سے وہ ہوا میں پائے جانے والی آلودگی کو پتوں میں جذب کر لیتے ہیں۔ اس طرح وہ ہوا کو صاف رکھنے میں مددگار ثابت ہوتے ہیں اور ہوا میں موجود

نقصان دہ گیس کو جیسے بینزین فارملڈ ہائیڈ اور کاربن مونو آکسائیڈ کو بھی کم کرتے ہیں۔ ان پودوں کی جڑوں میں بعض ایسے مائیکروبس (Microbes) پائے جاتے ہیں جن کی غذا ہی آلودگی کرنے والے اجزا ہوتے ہیں۔ یہ مائیکروبس ان کو کھا کر ختم کردیتے ہیں۔ یہ ہمارے گھروں کو ایک ایئرپوریفائر (Airpurifier) میں تبدیل کردیتے ہیں۔ چند مشہور انڈور پودے جنھیں امریکی خلائی ایجنسی (NASA) نے فضا کو صاف کرنے والے پودے کے طور پر تجویز کیا ہے۔

(1) منی پلانٹ (Money Plant): منی پلانٹ انڈور

پودوں میں خاص طور پر پسند کیا جاتا ہے۔ یہ ایک بیل دار پودا ہے۔ اس کے پتے دل کی شکل نما اور سبز چمکدار رنگ کے ہوتے ہیں جو دیکھنے میں بہت خوبصورت نظر آتے ہیں۔ یہ آسانی سے مٹی اور پانی دونوں میں لگایا جاسکتا ہے۔ ایسی جگہ رکھنا چاہیے جہاں ہلکی سورج کی روشنی آتی ہو۔ NASA کے مطابق یہ پودا ہوا سے زہریلے مادّے جسے فارملڈ ہائیڈ و بین کو کم کرتا ہے۔

(2) اسپائڈر پلانٹ (Spider Plant): اسپائڈر پلانٹ کا نام آپ کو شاید عجیب لگے مگر یہ پودا بہت فائدے مند ہے، یہ پودا لمبی باریک پتیوں والا ہوتا ہے جو مکڑی کی بناوٹ کی طرح نظر آتا ہے، اسی لیے اسے اسپائڈر پلانٹ

کہتے ہیں، اس کے لمبے پتے تلوار نما اور عموماً سبز و سفید دھاری دار ہوتے ہیں۔ بڑھتے ہوئے پودے کی شاخوں پر چھوٹے چھوٹے ننھے پودے نکل آتے ہیں، جو مہکتے ہوئے خوبصورت نظر آتے ہیں، ان ننھے پودوں کو الگ کرکے نیا پودا بھی لگایا جاسکتا ہے۔ یہ پودا کاربن مونو آکسائڈ اور دیگر نقصان دہ گیس کو جذب کرتا ہے۔ اس لیے اگر آپ اسے گھر میں رکھیں گے تو یہ ہوا کو صاف کرنے میں مدد کرے گا۔

(3) ایلوویرا (Aloe Vera): بچو! اس پودے کو تو آپ

جانتے ہی ہوں گے، یہ پودا ہندوستان کے عموماً گھروں میں پایا جانے والا پودا ہے جس کو دوائی کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ یہ پودا نہ صرف ہوا کو صاف کرتا ہے بلکہ یہ جیل (gel) جلد اور بالوں کے لیے بھی بہت مفید ہے۔ یہ پودا رات کے وقت آکسیجن خارج کرنے والے پودوں میں شامل ہے۔ اس کے پتے موٹے رسیلے ہوتے ہیں جس میں شفاف جیل موجود ہوتا ہے اور نوکیلے اور کناروں پہ چھوٹے چھوٹے کانٹے ہوتے ہیں۔ یہ NASA کے

مطابق گھر کی فضا میں زہریلے مادّوں کو کم کرنے میں مددگار ثابت ہوتا ہے۔

(4) اسنیک پلانٹ (Snak Plant): یہ نام سن کر بھی

آپ کو عجیب لگے اور شاید ڈر بھی، دراصل یہ پودا دیکھنے میں لمبا اور سیدھا ہوتا ہے، اس کے پتے اوپر سے نوکیلے اور سخت ہوتے ہیں جو سانپ کی کھال جیسے سبز دار ہلکے، سبز نقشوں سے مزین ہوتے ہیں، اسے زیادہ پانی یا توجہ کی ضرورت نہیں ہوتی، یہ بھی رات میں آکسیجن خارج کرنے والے پودوں میں شامل ہے۔ یہ Toluene اور Zylene جیسے زہریلے مادوں کو جذب کرتا ہے اور فضا کو صاف بناتا ہے، اسے سونے والے کمرے میں رکھنا زیادہ بہتر ہوتا ہے۔

(5) سنگونیم (Syngonium): یہ بھی نہایت خوبصورت

اور مشہور انڈور پودا ہے۔ یہ ایک بیل نما پودا ہے جو اپنی دل کی مانند یا تیر کے نوک والی پتیوں کی بیل اور مختلف رنگوں جیسے ہلکے سبز و گہرے سبز و سفید یا گلابی دھاری دار بھی ہوتے ہیں، جب پودا جوان ہوتا ہے تو پتے چھوٹے اور سیدھے ہوتے ہیں مگر عمر کے ساتھ یہ بیل کی طرح بڑھتے ہیں اسے آپ کٹ کرکے ایک نیا پودا بنا سکتے ہیں۔ یہ بھی ہوا کو صاف کرنے والے پودوں میں شامل ہے جو زہریلی گیس کو جذب کرتا ہے۔

یہ تھے کچھ مشہور انڈور پودے جو نہ صرف ہوا کو صاف کرتے ہیں بلکہ گھر کی خوبصورتی میں بھی اضافہ کرتے ہیں، تو ہمیں چاہیے کہ اپنے گھر میں انڈور پودے لگائیں۔ جب ہم پودوں کی دیکھ بھال کرتے ہیں تو ہمیں قدرت کے قریب ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ یہ بچوں کے لیے خاص طور پر ایک اچھا تجربہ ہے۔ پودوں کی موجودگی سے ذہن کو سکون ملتا ہے۔ سائنس دانوں کے مطابق جن گھروں میں پودے ہوتے ہیں وہاں رہنے والے لوگ ذہنی تناؤ کا شکار کم ہوتے ہیں، پودے اپنے گھر میں رہتے ہیں تو نہ صرف ہم اپنی صحت بہتر بنا سکتے ہیں بلکہ زمین کے ماحول کی حفاظت میں بھی حصہ ڈال سکتے ہیں۔ یاد رکھیں ہر پودا ایک نیا دوست ہے جو ہمیں تازہ ہوا فراہم کرتا ہے۔

نوٹ: ان میں سے کچھ پودے جیسے سنگونیم پلانٹ، اسنیک پلانٹ، منی پلاٹ، پالتو جانورں اور چھوٹے بچوں کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں۔ اس میں کیلشیم آکسیلیٹ نامی کیمیکل موجود ہے اس لیے ان پودوں کو بچوں اور پالتو جانوروں کی پہنچ سے دور رکھیں۔

■

Shaikh Usama Shaikh Naser
Holi Galli, Sillod
Distt:Aurangabad - 431112 (Maharashtra)
Mob.: 9403644073
usamashaikh1782@gmail.com

وقت

مناظر حسن شاہین

وقت کے ہاتھ میں زمانہ ہے
وقت اک قیمتی خزانہ ہے
وقت تو اک سرکتا سایہ ہے
وقت کو کون روک پایا ہے
وقت کے ساتھ چل نہیں سکتے
وہ بہاروں میں پل نہیں سکتے
شب کی ظلمت میں چاندنی کرنے
وقت آتا ہے دوستی کرنے
قدر ہم جان ہی نہیں پاتے
اس کو پہچان ہی نہیں پاتے
خوابِ غفلت میں ہم کو پاتا ہے
دستکیں دے کے لوٹ جاتا ہے
اس لیے میرے نونہالِ چمن
رشکِ گلزار فخر و نازِ وطن
بات شاہین کی ذرا مانو
قدر و قیمت تم اس کی پہچانو
علم سے نیکیاں کماؤ تم
وقت بیکار مت گنواؤ تم
وقت ہی زندگی کا حاصل ہے
یہ جہاں موج، وقت ساحل ہے

■

Manazir Hasan Shaheen
H. No: 60, Millat Colony
Gayaji - 823001 (Bihar)
hussainmanazir71957

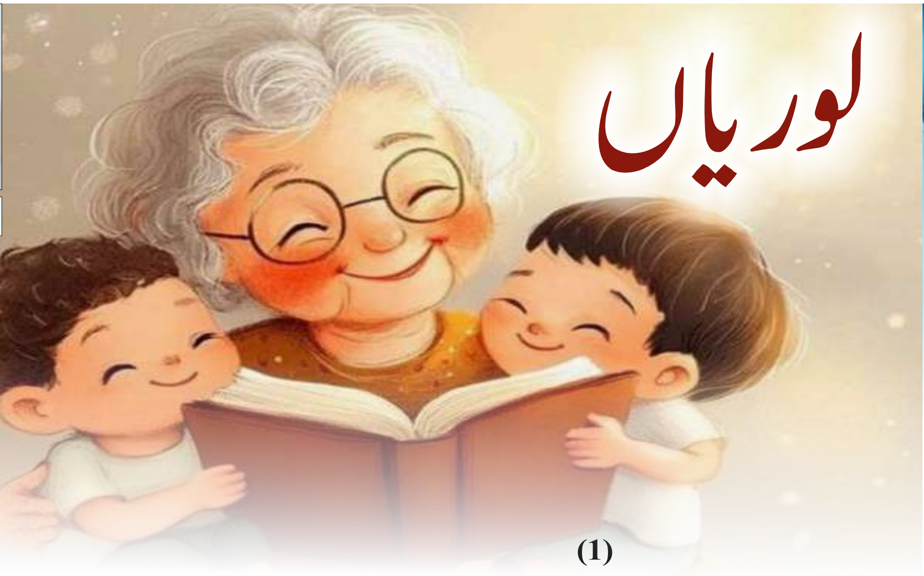

راحت مظاھری

لوریاں

(1)

چاند فلک پہ نکلا ہے
نورِ خدا کا پہرا ہے
جس کو پریاں لوری دیں
ایسا کس کا بیٹا ہے؟
تجھ کو سلانے آیا دیکھ!
بادِ صبا کا جھونکا ہے
لختِ جگر ہے میرا مصعب
بچہ نہیں اک ہیرا ہے
شان تمھارے گلشن کی
پھول نہایت زیبا ہے
آج تو لوری لکھی ہے
قرض کسی دن سہرا ہے

(2)

چاند مرا سو جائے گا
بند سحر کی ہلچل ہے
نیند کہیں کیا اوجھل ہے
جسم یونہی کچھ بوجھل ہے؟
نغمے سناتی، اللہ! اللہ!
کوکتی راتوں کوئل ہے؟
دور ابھی ہے وقتِ صبح
مرغ کوئی پاگل ہے؟
چاند مرا سوجائے گا
بند سحر کی ہلچل ہے
پھوٹ رہی خوشبو سی
سانس میں تیری صندل ہے؟
پیڑ بڑا بن جائے گا
خواب کی اب جو کونپل ہے
چاند مرا سوجائے گا
بند سحر کی ہلچل ہے

■

Dr. Rahat Mazahiri (Rahat Husain)
318-A, 1, Street No: 8
Guruduwara Mohalla, Maujpur
Delhi - 110053
Mob.: 9891562005

حبیب سیفی

کشتی

کشتی کا ہے کھیل نرالا
بنتا فاتح ڈھانے والا
ہوتی اکھاڑے میں کشتی
کام میں آتی ریت اور مٹی
اس میں ضرورت ذہن و ہنر کی
دبتی رگ رگ سارے بدن کی
ملتا نہیں ہے اس میں سنبھالا
کشتی کا ہے کھیل نرالا
جو بھی جس کو دھول چٹا دے
سمجھو اپنی دھاک بٹھا دے
دکھتے زبر کو زیر بنا دے
پٹخی مقابل کو جو لگا دے
آئے مقابل کوئی جیالا
کشتی کا ہے کھیل نرالا
پاس نہ آئے ایک پل سستی
زیادہ طاقت کام نہ کرتی
جیتے وہی، ہو جس میں چستی
لازم ہے چیتے سے پھرتی
یہی ہے کہتا کھیلنے والا
کشتی کا ہے کھیل نرالا
دنگل کی رونق جو بڑھائے
پہنچے اکھاڑے ہاتھ ملائے
چھاتی کھوے پر مٹی لگائے
سیکھے ہنر سے زور لگائے
کھیل دکھائے کوئی بھی اعلیٰ
کشتی کا ہے کھیل نرالا
فاتح اچھلا اچھلا جائے
لوگوں کا بس دل بہلائے
دیکھنے والا تالی بجائے
ہارنے والا چپ ہوجائے
جیتا ہے بس جیتنے والا
کشتی کا ہے کھیل نرالا
چاروں شانے جو چت کردے
اور کمر مٹی میں رگڑ دے

■

Habeeb Saifi
E-12/51B, Hauzrani, Malviya Nagar
New Delhi - 110017
Mob.: 7838038973
habeebsaifi@gmail.com

فہیم احمد

کھانا دو

اماں، اماں کھانا دو
جلدی ہم کو دانہ دو
ہم دن بھر کے بھوکے ہیں
ہونٹ ہمارے سوکھے ہیں
چھوٹا سا ہے اپنا گھر
ننھی سی اس ڈالی پر
پنکھ ہمارے کچے ہیں
ہم تو ننھے بچے ہیں
ورنہ کب کے جاتے اڑ
لاتے چاول، مصری، گڑ
اپنی تو مجبوری ہے
کھانا ابھی ضروری ہے
کھا پی کر بڑھ جائیں گے
ہم اونچے اڑ جائیں گے
ساتھی شور مچاتے ہیں
دیکھو ہمیں بلاتے ہیں
جلدی بڑا کرو ہم کو
بھولو گی سارے غم کو
اماں کہیں نہ پھر جانا
دانے لا دیں گے کھانا

■

Dr. Faheem Ahmad
Asst., Professor, Dept of Hindi
Mahatma Gandhi Memorial (P.G.) College
Chaudhary Sarai, Near Police Chowki
Sambhal- 244302 (UP)
Mob.: 8896340824
drfaheem807@gmail.com

فرحانہ نازنین

چاند

آسمان میں رہتا چاند
جگمگ جگمگ کرتا چاند
چندہ ماما کہتے ہیں سب
سب کو پیارا لگتا چاند
کبھی تکونہ کبھی ادھورا
کبھی مکمل ہوتا چاند
یکم کو ہیں لاکھوں تارے
چودہ کو پھر تنہا چاند
ہر سو اجلی چاندنی پھیلی
رات کو روشن کرتا چاند
رستے میں ہم کھو نہ جائیں
ساتھ ہمارے چلتا چاند
نازنیں تم نے دیکھا ہے
دھیرے دھیرے ڈھلتا چاند

■

Farhana Nazneen C/o Afsar Imam
Apolo Medical Store
C Block, 17/1, Gali No-12
Okhla Vihar, Jamia Nagar
New Delhi - 110025
Mob.: 9470705183
mefarhanaimrat@gmail.com

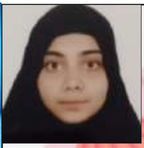

عافیہ

گلابی سردی

ہوا فرفر چلی تھی فروری کی
گیا جاڑا شکایت بھی سبھی کی
چھٹا کہرا تو چمکا ہے یہ سورج
کھلی رنگت تبھی ہے ہر کلی کی
دُلائی میں سبھی سوتے ملیں گے
نہیں کمبل ضرورت اب کسی کی
رضائی رکھ کے ممی نے کہا یہ
رکھو گدا کرو باتیں دری کی
سنو! رشتہ کتابوں سے بناؤ
کہ بس تعلیم ضامن ہے خوشی کی
مشقت دل سے جو کرتے نہیں ہیں
شکایت کرتے ہیں وہ بے بسی کی
رکھو امید رب سے مسکراؤ
لگے ہے پار نیا زندگی کی
لغو باتوں میں مت تم دن گزارو
نصیحت ہے یہی ہر اک کسی کی

■

Afia
THS Urdu Center
E-12/51B, Hauzrani, Malviya Nagar
New Delhi - 110017
aafiyah11102005@gmail.com

انیس اعظمی

کھچڑی

ایک خوشحال اجنبی شخص سے دورانِ سفر میری اتفاقاً ملاقات ہوئی۔ انھوں نے باتوں باتوں میں مجھے بتایا کہ آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ مجھے پوری زندگی کبھی نہ تو کسی چیز کی کمی محسوس ہوئی اور نہ ہی کسی طرح کی پریشانی ہوئی، میں نے کہا، میرے نزدیک اس میں حیرانی کی کوئی خاص بات نہیں ہے۔ بہت سے لوگ پوری زندگی خوش اور خوشحال بھی رہتے ہیں۔ انھیں نہ روپے پیسے کی کمی ہوتی ہے اور نہ ہی کسی اور چیز کی۔ بھئی اللہ نے آپ کی قسمت میں سکھ لکھا، سو آپ کو وہ مل رہا ہے۔ اس میں حیرانی کی کیا بات ہے۔

انھیں میرے جواب سے اطمینان نہ ہوا، سو انھوں نے کہا ہمارے ابا بھی ہماری ہی طرح سدا خوش وخرم ہی رہے۔ اصل میں وہ بہت نیک دل اور خدا ترس انسان تھے۔ ہمارا سکون شاید انھیں کے اعمال کا صدقہ ہے کہ میں بھی اللہ کی مرضی سے تندرست اور خوشحال ہوں اور اس بہتر۔ تہتر برس کی عمر میں بھی پوری طرح صحت مند ہوں۔

میں نے کہا میرے نزدیک یہ بھی کوئی غیر معمولی یا حیرت انگیز بات نہیں ہے۔ میں اپنے کئی ایسے ہم عمر لوگوں کو جانتا ہوں جو خوشحال بھی ہیں اور تندرست بھی ہیں۔ میرے خیال سے اگر کوئی کھانے پینے، سونے جاگنے، خوراک اور ہاضمے کا ہمیشہ سنجیدگی سے خیال رکھے گا اور صحت کے اصولوں پر پابند رہے گا تو پھر وہ یقیناً صحت مند بھی رہے گا۔

میں نے محسوس کیا کہ وہ حضرت میری باتوں سے اور دلیلوں سے کچھ بے زار ہونے لگے تھے۔ جب مجھے اس بات کا احساس ہوا تو میں نے بڑے ادب سے بلکہ نرم لہجے میں ان سے پوچھا کہ چلیے آپ اپنی اچھی صحت اور خوشحالی کی کوئی خاص وجہ ہو تو بتائیے۔ ممکن ہے کہ مجھے

کسی اچھی بات کا علم ہو اور میں بھی اس پر عمل کروں۔

ان صاحب کو اب کچھ اطمینان ہوا اور ان کے چہرے پر میں نے سکون کی جھلک بھی دیکھی۔ انھوں نے ایک لمبی سانس کھینچی اور لمحہ بھر کو آنکھیں موند لیں، پھر جانے کیوں کسی خیال میں گم ہو گئے۔ جب ذرا بے دار ہوئے تو چہرے پر سنجیدگی کو طاری کرتے ہوئے، آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر یوں بیان شروع کیا۔ فرمایا:

اب کہاں سے شروع کروں اچھا چلیے آپ کو مختصراً اپنے والد ماجد کے بارے میں بتاتا ہوں... بات یہ ہے کہ میری کہانی انھیں کی کہانی سے جڑی ہوئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ میرے والد ایک بالکل عام مڈل کلاس گھرانے میں پیدا ہوئے تھے۔ انھیں سرکاری اسکول میں پڑھنے کا موقع ملا۔ ابھی اسکول کی پڑھائی مکمل بھی نہیں ہوئی تھی کہ ان کے والد یعنی میرے دادا اللہ کو پیارے ہو گئے۔ یعنی میرے والد محض 16 برس کی نابالغ عمر میں یتیم ہو گئے۔ ان کا یتیم ہونا تھا کہ ان کی زندگی مشکلوں میں گھر کر رہ گئی۔ رفتہ رفتہ میرے والد نے اپنے آپ کو سنبھالا اور جانے کیوں پڑھائی کو بیچ میں ہی چھوڑ کر ایک دوکان پر ملازم ہو گئے۔ جیسے تیسے اب گھر کا چولہا جلنے لگا۔ پیسوں کی کمی کی وجہ سے ہماری دادی روزانہ ٹوٹے ہوئے سستے چاولوں کی کھچڑی پکاتیں اور چٹ خارے دار چٹنی کے ساتھ جیسے تیسے گزر بسر ہونے لگا۔

چار پانچ سال یوں ہی گزر گئے، ہمارے والد نے حوصلہ کیا اور چھوٹے پیمانے پر اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ شروع کے تین چار سال تو بڑی مشکل میں گزرے۔ پھر اللہ کی کرنی کچھ ایسی ہوئی کہ کاروبار چل پڑا۔ جب کبھی وہ کسی مشکل میں پڑ جاتے یا کوئی انھیں ستاتا تو دادی کہلوا دیا کرتیں، دیکھو بھائی کسی یتیم کا دل نہ دکھانا اور کبھی اس کی بددعا نہ لینا، ورنہ پنپ نہیں پاؤ گے۔ اور ہمارے والد کو لڑکپن سے یتیم یتیم سن کر بہت تکلیف ہوتی تھی۔

وقت یوں ہی گزرتا رہا، موقع دیکھ کر دادی نے ہمارے ابا کی شادی کر دی، دو برس بعد میں دنیا میں وارد ہوا۔ میرے پیچھے پیچھے دو دو سال کے فاصلے سے پہلے میرا بھائی پھر بہن بھی دنیا میں آ گئی۔ یوں سمجھ لو کہ یہ باتیں اب سے کوئی 78-77 برس پہلے کی ہیں۔ میرا سرکاری اسکول میں داخلہ کرا دیا گیا۔ جب میں ساتویں یا آٹھویں جماعت میں پہنچا تب تک ابا کا کاروبار خاصہ اچھا ہو چکا تھا۔ انھوں نے اپنے پرانے مکان کو توڑ کر اس کی جگہ ایک بڑی اچھی کوٹھی بنوالی تھی۔

کوٹھی میں آرام کے سارے سامان جمع ہوتے گئے۔ کئی کمروں میں شاندار قالین بچھے گئے۔ ابا کوٹھی کو دیکھتے اور خوش ہو کر کہتے یا میرے مولا یہ تیرا ہی کرم ہے۔ کچھ دن یوں ہی بیتے پھر ابا میں ایک عجب تبدیلی آئی۔ وہ یہ کہ ہر دس پندرہ دنوں کے بعد وہ جانے کس کس بہانے سے قصبے کے اسکول اور مدرسوں سے یتیم بچوں کو گھر پر بلاتے، انھیں بڑی عزت و محبت سے بٹھاتے اور اپنے ہاتھوں سے سب کو روح افزا کا شربت بنا کر پلاتے۔ کچھ دیر تک ان کی خیر خیریت لیتے اور پھر ایک لمبا سا دسترخوان لگا کر، صاف ستھری رکابیوں میں اصلی گھی والی کھچڑی کھلاتے۔ ہر بار کچھ نئی طرح کی کھچڑی، کبھی چٹنی تو کبھی اچار کے ساتھ۔ اصلی گھی کی خوشبو گھر کے باہر تک جاتی۔ ہماری اماں کھچڑی بناتے بناتے ایسی ماہر ہو چکی

تھیں کہ جو بچہ ان کی کھچڑی کھا تا ان کا دیوانہ ہو جاتا۔ یہ سلسلہ جاری تھا۔ ایک دن میں نے ابا سے پوچھ ہی لیا کہ آپ ان یتیم بچوں کو بلا بلا کر انھیں ہمیشہ شربت کے بعد کھچڑی ہی کیوں کھلاتے ہیں کھچڑی کی جگہ کچھ اور کیوں نہیں؟۔ ابا کچھ سنجیدہ ہوگئے، کچھ سوچ کر کہنے لگے میں انھیں بچوں کی عمر میں یتیم ہو گیا تھا۔ حالات گھر کے تب کچھ ایسے تھے کہ ہماری ماں برسوں ہمیں اچھا سالن نہ کھلا سکیں۔ مجبوراً وہ ہمیں کھچڑی ہی کھلا پاتی تھیں۔ وہ ایسی ہی کھچڑی بناتی تھی جیسی اب تمہاری اماں بناتی ہیں۔ میں اسی کھچڑی کو دنیا کا بہترین منجن تسلیم کرتا تھا اور آج بھی تسلیم کرتا ہوں۔

میرے اجنبی اور خوشحال ہم سفر کی اس عجب کہانی کو سن کر میرا دل بھی بھاری ہوا اور مجھ پر اس کا عجب اثر ہوا۔ اس کے بعد جو باتیں اس نے بتائیں وہ اور حیرت میں ڈالنے والی باتیں تھیں۔ اس نے بتایا کھچڑی کھا کر جب یہ یتیم بچے فارغ ہوتے اور اپنے مدرسوں کو واپس چلے جاتے تو ابا ان کی رکابیوں کو کچھ اس طرح سمیٹتے کے ہر رکابی میں جتنے بھی کھچڑی کے دانے بچتے وہ انھیں ایک پیالے میں جمع کرتے جاتے۔ جب مدرسوں کے بچے ہمارے گھر سے بہت دور نکل جاتے تو ابا اس جوٹھن والی کھچڑی کو بڑے اطمینان سے مزے لے لے کر کھاتے اور ہمیں بھی کھلاتے۔ انھیں جانے کیوں یقین تھا کہ ان معصوم یتیم بچوں کی جوٹھن کو کھانے سے پروردگار ہم پر اور بھی مہربان ہوگا۔'

اس اجنبی نے اپنی کہانی مکمل کی پھر میری طرف غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا، کیوں بھائی آپ کو میری یہ سچی کہانی کیسی لگی؟ میں کہانی کے اثر سے باہر آتا تو شاید کچھ بتا پاتا۔ میں تو اسے سُن کر خود ہی حیرت میں تھا۔

■

Anis Azmi
C-62, Nar Vihar-1
Sector -34, Noida -201307
Mob.: 9891535053
anisazmi1@yahoo.co.in

جواب

1. Gross domestic product	2. 28 فروری	3. فاؤنٹن پین کے لیے	4. کرکٹ
5. رڈولف ڈیزل (Rudolf Diesel)	6. سری شمکھا نندا ہال، ممبئی	7. دہلی	8. اندرا گاندھی انٹرنیشنل ایئرپورٹ، دہلی
9. گوا	10. گھڑیاں اور زیورات	11. سچن تیندولکر	12. جیمز واٹ
13. کنچن جنگا	14. سرخ	15. 26 جنوری 1950	16. آن لائن خرید و فروخت (commerce -E)
17. عطارد (Mercury)	18. بنگلورو	19. ادب	20. گولف

اقبال برکی

صبح کا بھولا

کل تو وہ خاموش رہ گیا۔آج دوسرا دن تھا۔شعیب نے پھر ایک ایسی حرکت کی کہ عرفان پریشان ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ شعیب ایسی کوئی حرکت کر گزرے گا۔ عرفان نے چاہا کہ اسی وقت اسے ٹوک دے لیکن پھر کچھ سوچ کر خاموش رہ گیا۔ وہ کچھ کہہ نہیں سکا اس کی وجہ بھی تھی۔شعیب کب وہاں ٹھہرا تھا کہ اس کی بات سنتا۔ وہ تو اسے چھوڑ کر تیزی سے اسکول لائبریری کی طرف بڑھ گیا۔عرفان کے لیے یہ بھی حیرت کی بات تھی کہ شعیب آج لائبریری کی طرف جا رہا تھا۔ وہ باسکٹ بال گراؤنڈ کی طرف جانے کی بجائے وہ لائبریری کی طرف کیوں جا رہا ہے۔ پھر خود ہی کچھ سوچ کر اپنے آپ کو مطمئن کرنے لگا کہ شاید اسے کسی خاص لڑکے سے ملنا ہو اس لیے وہ ادھر جا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے اس کا کوئی کھلاڑی دوست ہو جو اس وقت لائبریری میں ہو اور وہ اسی سے ملنے جا رہا ہو۔عرفان ابھی یہی سب کچھ سوچ رہا تھا کہ شعیب لائبریری کے دروازے سے گزر کر اندر داخل ہو گیا۔ان دونوں کے درمیاں دس پندرہ قدم کا فاصلہ تھا۔ جب عرفان لائبریری کے دروازے پر پہنچا تو ایک لمحہ کے لیے ٹھٹھک کر رہ گیا۔اس نے اندر جو منظر دیکھا وہ اسے چکرا دینے والا تھا۔عرفان کو محسوس ہوا جیسے وہ حیرت کے سمندر میں غوطے کھا رہا ہو۔اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا کہ صرف تین دنوں میں شعیب کے اندر اچانک اتنی تبدیلی آ جائے گی۔ وہ تو بس صرف تین دن کے لیے دھولیہ گیا تھا۔اپنی خالہ زاد بہن جبین آپی کی شادی میں۔ وہ جب یہاں سے گیا تھا تو شعیب، شعیب تھا لیکن یہ تو اس کے بالکل برعکس تھا۔اسے یقین نہیں آتا تھا کہ اتنی جلدی اس کے دوست میں اتنی تبدیلیاں آ جائے گی اور وہ اتنا بدل جائے گا۔

وہ شعیب کو کب سے جانتا تھا اسے خود معلوم نہیں تھا۔اسے ایسا لگتا تھا جیسے شعیب اور وہ دونوں ایک ہی گھر میں ایک ساتھ ہی پلے بڑھے ہوں۔ دونوں کے جی سے پڑھتے ہوئے اب گیارہویں درجے میں آ گئے تھے۔

دونوں پڑوسی بھی تھے اور رشتے دار بھی۔ دونوں کے مکانات بالکل آزو بازو میں تھے۔ لیکن شعیب کے ابو بہت مالدار تھے جب کہ عرفان کے ابو میونسپل کارپوریشن میں معمولی کلرک تھے۔ لیکن ایماندار تھے اور بڑی حد تک قناعت پسند بھی۔ عرفان کی امی بھی اس کے ابو کے رنگ میں پوری طرح رنگی ہوئی تھی۔ اسی لیے دونوں کی بلکہ اب ان کے ساتھ ان کے بیٹے عرفان کی بھی ہنسی خوشی گزر رہی تھی۔ شعیب کے ابو کی ٹیکسٹائیل مل تھی اس لیے ان کے یہاں فراوانی تھی۔ عرفان اپنے ماں باپ کا اکلوتا تھا جب کہ شعیب کی دو بڑی بہنیں بھی تھیں اور دونوں کی شادی ہو چکی تھی۔ شعیب اپنے گھر کا لاڈلا تھا اور اس کی ہر خواہش پوری ہوتی تھی۔ جب تک بہنیں تھیں امی ابو کے ساتھ وہ بھی شعیب کی ناز برداری میں لگی رہتیں اور اب اس کے امی ابو لگے رہتے ہیں۔ ابو تو خیر سے مل چلے جاتے لیکن امی کے دلار اور اس کی ہر جا بے جا فرمائش پوری کرنے کی وجہ سے وہ بڑی حد تک بگڑ چکا تھا۔

وہ سارے لڑکے جو شعیب کے ساتھ رہتے تھے، آہستہ آہستہ ایک ایک کر کے اس سے دور ہو گئے کیوں کہ وہ جب چاہتا ان کا کھیل بگاڑ دیتا یا ان کے کھلونے توڑ دیتا اور کبھی چھین لیتا۔ پڑوسی اگر شکایت کرتے بھی تو اس کی امی ان کی کسی بات پر توجہ نہ دیتی الٹا انھیں قصوروار ٹھہرا دیتی اور لوگ اپنا سا منہ لے کر رہ جاتے۔

اسکول میں بھی شعیب کا یہی حال تھا۔ حالانکہ وہ پڑھنے لکھنے میں ٹھیک تھا لیکن کبھی سنجیدہ نہیں ہوا تھا۔ اسے اسکول میں باسکٹ بال کا شوق ہوا اور فزیکل ٹیچر نے اسے قبول بھی کر لیا مگر وہ بھی اکثر اس کی حرکتوں سے پریشان ہو جاتے۔ اسکول کے اکثر استادوں کا یہی حال تھا۔ کئی ایک نے ہیڈ ماسٹر صاحب کے سامنے اس کی شرارتوں اور دوسروں کو تنگ کرنے کی شکایت بھی کی مگر ہیڈ ماسٹر صاحب آخر میں یہ کہہ کر معاملہ رفع دفع کر دیتے۔

اب جب کہ شعیب خاموشی سے ایک رسالے کو اٹھائے پڑھ رہا تھا اسے اس پر حیرت ہونا ہی تھی۔ وہ لائبریری میں داخل ہوا اور شعیب سے کچھ دور ایک دوسری کرسی پر جا بیٹھا۔ اسے یہاں انگریزی کے اخبار کی سرخیاں پڑھنا اچھا لگتا تھا۔ وہ اکثر انگریزی اخباروں کی سرخیاں پڑھتا۔ کچھ سمجھتا اور کچھ نہیں البتہ وہ ان سرخیوں میں موجود کوئی ایک نیا لفظ ضرور ذہن نشین کر لیتا اور اکثر گھر جا کر ڈکشنری میں اس کے معنی دیکھتا۔ اس نے پہلا اخبار اُٹھایا اور اس کی چھوٹی بڑی سرخیوں پر نظر دوڑاتا رہا۔ پھر بہت دیر بعد اس نے دوسرا اخبار اٹھا لیا پھر تیسرا۔ آج وہ پڑھ تو رہا تھا پر ذہن کہیں اور ہی کی سیر کر رہا تھا۔ اس کے دل میں ایک خلش، ایک اضطراب تھا۔ وہ شعیب کی اُن حرکتوں کے متعلق جان لینے کے لیے بے چین تھا۔ آخر کوئی پون گھنٹے بعد شعیب خود اس کے پاس آیا اور اشارے سے باہر چلنے کو کہا۔ لائبریری کی خاموشی کا ایسا پاس و لحاظ! عرفان کو پھر اچنبھا ہوا۔ وہ کچھ کہے بغیر اس کے پیچھے چل پڑا۔

لائبریری سے نکل کر شعیب چند قدم ہی چلا تھا کہ آخر عرفان نے اسے ٹوکا۔ اس نے کہا، ''شعیب، کیا بات ہے؟ یہ سب میں کیا دیکھ رہا ہوں؟''

شعیب نے پوچھا، ''کیا دیکھ رہا ہے؟''

''کل سے دیکھ رہا ہوں جس شعیب کو چھوڑ کر بتول آپی کے گھر گیا تھا وہ تو بہت بدل گیا ہے۔ آخر یہ سب کیا ہے؟''

شعیب نے مسکراتے ہوئے کہا، ''نہیں تو! میں تو بالکل ویسا ہی ہوں جیسا تھا!''

''ویسا ہی ہوں جیسا تھا! کیا خاک ؟ کل بھی میں پوچھتے پوچھتے رہ گیا کہ آخر تو نے اپنی گاڑی کے سفید مرکیوری لائٹ کیوں بدلے اور آج جب تو نے گاڑی پارک کی تو اس کے دونوں بیک مرر کو موڑ کر نیچے کر دیا۔ یہی کوئی دوسرا کرتا تو تو اس کی کیا درگت بناتا؟''

اس سے پہلے کہ شعیب کوئی جواب دیتا دونوں باسکٹ بال گراؤنڈ تک پہنچ گئے۔ وہاں ایک پریکٹس میچ جاری تھا اور فزیکل ٹیچر بھی موجود تھے۔ انھوں نے شعیب کو دیکھتے ہی آواز لگائی، ''شعیب، آجاؤ! میچ ابھی شروع ہوا ہے!''

شعیب نے ادب سے جواب دیا، ''سر، دوسرے ہاف میں اترتا ہوں۔''

فزیکل ٹیچر اسے حیرت سے دیکھتے رہ گئے۔ شاید انھیں ایسے مہذب جواب کی امید نہیں تھی۔ ایسا جواب شعیب کی عادت کے خلاف تھا۔ وہ تو جب آتا کھیل میں شامل ہو جاتا چاہے ضرورت ہو یا نہ ہو۔ مجبوراً کسی دوسرے کھلاڑی کو گراؤنڈ سے باہر آنا پڑتا۔ فزیکل ٹیچر حیرت سے اسے دیکھ کر دوبارہ کھیل کی طرف متوجہ ہو گئے۔

شعیب عرفان کو لے کر میدان کے شمالی گوشے کی طرف بڑھ گیا۔ یہ علاقہ نسبتاً پرسکون رہتا اور طلبہ اس طرف کم ہی آتے۔ وہاں ایک بڑی اور اونچی پتھر کی چٹان تھی۔ وہ کب اور کہاں سے آئی تھی، کسی کو نہیں معلوم تھا لیکن اکثر اسکول کے تنہائی پسند استاد یا طالب علم اس پر آبیٹھتے اور جب تک جی چاہتا بیٹھے رہتے۔ شعیب اور عرفان دونوں اس پر بیٹھ گئے۔ شعیب نے بیٹھتے ہی کہا، ''ہاں اب بول کیا کہہ رہا تھا؟''

عرفان نے برجستہ کہا، ''جو کہنا تھا کہہ چکا!''

عرفان کے جواب پر وہ کافی دیر خاموش رہا۔ اس کے بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ اس نے کہا، ''عرفان، جس دن تو دھولیہ گیا تھا، اس دن ایک عجیب سا واقعہ ہوا۔ جب اسکول کی چھٹی ہوئی تو میں قدوائی روڈ سے گھر جا رہا تھا۔ اس دن میں پیدل ہی تھا اور پیدل ہی واپس ہو رہا تھا۔ تو جانتا ہے چھٹی کے وقت قدوائی روڈ پر کتنا رش ہوتا ہے۔ میں کیرالا ہوٹل تک پہنچا تھا کہ ایک عجیب سے منظر نے میری آنکھوں کو باندھ لیا۔ میں نے دیکھا کہ سڑک کے بیچوں بیچ ایک آدھی اینٹ کا ٹکڑا پڑا ہوا ہے اور لوگ اس کے دائیں بائیں سے بچ کر نکلے جا رہے ہیں۔ میں اینٹ کے ٹکڑے تک پہنچا بھی نہیں تھا کہ میں نے دیکھا ایک بہت کمزور اور لاغر سی بڑھیا اس اینٹ کے قریب آکر بیٹھ گئی۔ سڑک پر رش اور پھر بیچ میں وہ بڑھیا۔ عرفان تو نے نہیں دیکھا، وہ بڑھیا اتنی کمزور اور لاغر تھی کہ ٹھیک سے چل بھی نہیں پاتی تھی۔ پھر بھی اس نے اس اینٹ کے ٹکڑے کو دونوں ہاتھوں سے اٹھایا۔۔نہیں، بلکہ اسے اپنے ہاتھوں میں لٹکایا اور جھکی ہوئی کمر کے ساتھ دھیرے دھیرے کنارے کی طرف بڑھنے لگی۔ میں رک کر اسے دیکھنے لگا۔ وہ تین چار قدم چلی اور پھر بیٹھ گئی۔ کچھ دم لے کر وہ پھر اٹھی۔ میں ٹھہر کر اسے دیکھنے لگا۔ ٹریفک تو خدا کی پناہ! لوگ اس سے بچ کر نکلتے رہے۔ سواریاں کاوا کاٹ کر دور سے نکلتی رہیں۔ وہ پھر چلنے لگی اور ابھی دو تین قدم ہی اٹھا پائی تھی کہ مجھ سے دیکھا نہیں گیا۔ میں اس کے قریب پہنچا اور کہا کہ وہ اینٹ مجھے دے دے۔ لیکن

جانتے ہو، عرفان،'' اتنا کہہ کر وہ ایک لمحہ کے لیے چپ ہو گیا۔ اس کے بعد دوبارہ گویا ہوا۔ اس نے کہا، ''بڑھیا نے کیا جواب دیا، معلوم ہے؟ اس نے کہا کہ بیٹا یہ راستے پر دوسروں کو تکلیف دینے والی چیز ہے۔ میں ہٹا دوں گی تو اللہ مجھے ایک نیکی دے گا۔ پتہ نہیں کون سی نیکی وہاں میرے کام آجائے۔ اب تو مجھ سے وہ ایک نیکی بھی چھین لینا چاہتا ہے۔ نہیں بیٹا اسے تو میں ہی ٹھکانے لگاؤں گی۔'' اتنا کہہ کر وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ وہ بہت سنجیدہ ہو رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے پھر اپنی بات شروع کی۔ اس نے کہا، ''یقین کر عرفان اس بڑھیا کی بات کا میرے دل پر ایسا اثر ہوا کہ دن بھر اس کی بات میرے کانوں میں گونجتی رہی۔ جانتے ہو میں دوپہر میں تو کیا رات میں بھی کھانا نہیں کھا سکا۔ حالانکہ میں نے بڑھیا کے ہاتھ سے اینٹ لے کر سڑک کے کنارے ایک طرف ڈال دیا۔ لیکن بڑھیا بار بار وہی ایک بات دوہرا رہی تھی، 'بیٹا میری ایک نیکی مت چھین، میری ایک نیکی مت چھین۔' تب میں نے اس سے کہا کہ نانی جب مجھے نیکی ملے گی تو تو لے لینا۔ اس کے بعد وہ دعا دیتی ہوئی، ہانپتی کانپتی مشکل سے سڑک کے کنارے تک آ سکی تھی۔ عرفان، اس عمر میں بھی ایک ایک نیکی کے لیے ایسی کوشش ایک بڑھیا کر سکتی ہے تو پھر ہم کو کیا کرنا چاہیے؟''

عرفان مسکرایا۔ اس نے کہا، ''میں تو سمجھا تھا کہ تو اپنا بستہ بھی بڑھیا کو دے کر کہے گا کہ نانی ذرا گھر تک پہنچا دے!''

ایک لمحہ کے لیے شعیب کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور فوراً غائب ہو گئی۔ وہ جیسے کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہنا شروع کیا۔ اس نے کہا، ''کل جو میں نے گاڑی کا لائٹ بدلا اس کی وجہ بھی وہی بڑھیا نانی کی بات تھی۔ اگر تکلیف دہ چیز کے ہٹانے سے نیکی ملتی ہے تو کیا تکلیف دینے سے عذاب نہیں ہوگا؟ مرکیوری لائٹ جب آنکھ پر پڑتی ہے تو لوگوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ یعنی میں سارا راستہ دوسروں کو تکلیف دیتا ہوا چلتا ہوں اور وہ جو ابھی میں نے گاڑی کے دونوں آئینے نیچے کر دیے اس کی وجہ بھی یہی ہے۔ ہم نے اسکول کمپاؤنڈ میں پارکنگ میں گاڑی پارک کی تھی لیکن جب دھوپ اس پر پڑتی ہے تو منعکس ہو کر کسی بھی کلاس روم میں چلی جاتی ہے۔ اس سے کسی بھی طالب علم کی آنکھیں چوندھیا جاتی ہیں اور کبھی کبھی کسی ٹیچر کی بھی۔ یعنی میری وجہ سے دوسروں کو تکلیف۔ بس اب میں نہیں چاہتا کہ دوسروں کو تکلیف دینے کا عذاب مجھے ملے اور میں دوسروں کو ستانے والا شمار کیا جاؤں۔ بڑھیا نانی نے میرے خیالات بدل دیے۔ بس اتنی سی بات ہے۔ اب بول کیا کہتا ہے؟'' شعیب خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

عرفان نے ہنس کر کہا، ''میں کیا کہوں۔ بس اتنا کہوں گا کہ صبح کا بھولا شام کو گھر آئے تو اسے بھولا نہیں کہتے!''

شعیب جواب بھی نہیں دے سکا تھا کہ فزیکل ٹیچر کی سیٹی نے دونوں کو متوجہ کر لیا۔ وہ انھیں بلا رہے تھے کیوں کہ سیکنڈ ہاف کا کھیل شروع ہونے والا تھا۔ دونوں چٹان سے اتر کر گراؤنڈ کی طرف بڑھتے چلے گئے۔

■

Dr. Iqbal Barki
155, MHAD, Noor Bagh
Malegaon - 423203
Distt.: Nasik (Maharashtra)
dr.iqbalbarki@gmail.com

محمد رمشید پی

بجھا ہوا چراغ

بارش کا موسم تھا۔آسمان پر کالے بادل چھائے ہوئے تھے۔تیز ہوا کے ساتھ بارش بھی ہو رہی تھی۔تیز آندھی کی وجہ سے درخت بھی ہل رہے تھے۔

لیکن کلاس روم میں زیادہ تر بچے اپنی جگہ خاموش بیٹھے تھے۔کچھ طلبہ تو جیبوں میں ہاتھ ڈال رکھے تھے اور باقی اپنی کتابیں گود میں رکھ کر تھوڑی گرمی محسوس کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔کئی بچوں کی آنکھیں نیند سے بھاری ہو رہی تھیں۔ وہ چاہتے تھے کہ آج کا دن جلدی ختم ہو جائے تاکہ وہ گھر جا کر آرام کر سکیں۔

یہ سستی اور خاموشی صرف بچوں تک ہی محدود نہیں تھی بلکہ کالج کے بعض معلمین بھی کلکٹر کی چھٹی کے اعلان کے منتظر بیٹھے تھے۔اتنے میں اچانک بجلی بھی چلی گی۔کمرہ اندھیرے میں ڈوب گیا۔کچھ لمحے کے لیے سب خاموش ہو گئے۔بچوں نے ایک دوسرے کی طرف حیرت سے دیکھا۔تب کسی نے دھیرے سے کہا" کیا کروں چراغ میں تو تیل بھی کم ہے۔"

کلاس شروع ہوتے ہی حکیم استاد کی نظر طلبہ کی سستی اور بے توجہی پر پڑی،لیکن وہ دوسرے اساتذہ کی طرح ناراض نہیں ہوئے۔وہ ہمیشہ طلبہ کو نرمی سے سمجھانے اور ان کے دل جیتنے کی کوشش کرتے تھے۔آج بھی وہ ان کی حالت دیکھ کر کچھ کہنے کے بجائے سوچ میں پڑ کر دل ہی دل میں کچھ نیا کرنے کی ترکیب سوچنے لگے۔

"سب اسمبلی کے لیے تیار ہو جائیں!"

استاد نے گھنٹی بجا کر زور سے آواز لگائی۔آواز سنتے ہی طلبہ اور بے چین ہو گئے کیونکہ پہلے تو انھیں اپنی جگہ سے اٹھنا پڑے گا اور پھر قطار میں کھڑے ہو کر سننے کی مشقت بھی برداشت کرنی ہو گی۔

جب حکیم استاد نے دوسری بار گھنٹی بجائی،تو سب طلبہ آہستہ آہستہ لائن میں آ کھڑے ہوئے۔وہ استاد کا حکم مان تو رہے تھے لیکن دل سے نہیں تھے۔

حکیم استاد نے سب کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"لگتا ہے آپ لوگ صرف گھنٹی کے بجنے اور چھٹی کے اعلان کے انتظار میں رہتے ہیں۔اگر میں آج آپ کو چھٹی دے دوں،تو کیا کرو گے؟"

چند طلبہ نے بغیر سوچے سمجھے جواب دیا،

"ہم خوب سوئیں گے!"

استاد نے افسوس سے سر ہلایا،

"لگتا ہے سردی سے آپ لوگوں میں پڑھنے کی دلچسپی ختم ہو گئی ہے۔ہاں... آج میں آپ کو اس موسم سے جڑی ایک سبق آموز کہانی سناؤں گا۔کہانی کے بعد سب کو یہ اختیار ہو گا کہ چاہے تو گھر جا سکتے ہیں یا کلاس میں رہ کر مطالعہ کر سکتے ہیں۔"

یہ سن کر کچھ طلبہ کے چہروں پر مسکراہٹ آ گئی اور کچھ دل ہی دل میں سوچنے لگے کہ کہانی ختم ہوتے ہی گھر چلے جائیں گے۔

اتنے میں حکیم استاد نے کہانی شروع کی۔

شہر اورنگ آباد میں کرن داس نامی ایک سوداگر رہتا تھا۔ وہ روز اپنے مالک کے گھر میں کسی نہ کسی کام میں مصروف رہتا تھا۔ اس کی ایک خواہش تھی کہ بغیر محنت کے پیسہ کمایا جائے۔ ایک دن مالک نے اُس کی یہ خواہش بھانپ لی اور اُس سے پوچھا: ''کرن، تم کس چیز کو سب سے زیادہ چاہتے ہو؟''

''محنت کے بغیر پیسہ مل جائے!''

کرن داس نے فوراً جواب دیا۔

مالک نے کہا: ''ہاں، ٹھیک ہے، میں تمھیں پیسہ دوں گا، لیکن کچھ شرطیں ہوں گی جن پر عمل کرنا ہوگا۔''

شرط تو براہ کرم بتائیں .. ہم کو کوئی مشکل نہیں ...

کرن داس نے جواب دیا۔

میں روز تمھیں 84000 روپے دوں گا۔ اگر تم وہ سارے روپے اُسی دن خرچ کرلو، تو وہ سارا تمھارا ہوگا، اور اگر کچھ بچ جائے تو میں واپس لے لوں گا۔'' مالک کی یہ باتیں سن کر کرن داس نے ہنسی کے ساتھ یہ شرط قبول کر لی۔

اس کے بعد کرن داس نے روزانہ ملنے والی رقم کو بڑے جوش و خروش سے خرچ کرنا شروع کیا۔

لیکن کچھ دن بعد وہ روپے مکمل طور پر خرچ نہ کر سکا۔ اسی طرح اکثر رقم مالک کو واپس لوٹانی پڑتی۔ بغیر کسی کوشش کے جو مال اسے ملا تھا، اسے وہ برباد کر بیٹھا۔

''پیارے بچو! کرن داس کی اس عادت کے بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟'' استاد نے پوچھا۔

''کتنا بے وقوف آدمی ہے! اگر ہمیں اتنا روپیہ ملتا تو ہم اپنی سبھی خواہش پوری کر لیتے!''

طلبہ اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے لگے۔

لیکن استاد نے کہا کہ مجھے لگتا ہے کہ آپ اور یہ نوکر کے درمیان تھوڑا سا فرق بھی نہیں ہے۔

استاد کی بات سنتے ہی طلبہ مدہوش ہو گئے۔

استاد نے پوچھا کہ ''فرض کیجیے کہ یہاں کا مالک خدا ہے اور آمدنی وقت ہے تو پھر بتائیں آپ اور اس نوکر کے درمیان کیا فرق ہے؟!'' یعنی خدا تعالیٰ ہر انسان کو روزانہ 84000 سیکنڈ دیتا ہے۔ آپ ہی سوچیں کہ ان میں سے نفع کتنا اٹھاتے ہیں؟

حکیم استاد کا یہ سوال سنتے ہی بچوں کے چہروں پر درد کا احساس ہوا اور ان کے اندر سے ایک جوش ابھرا جس کی بنا پر سارے طلبہ نے محنت سے پڑھائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے علاوہ کلاس میں رہ کر مطالعہ کرنے کا ارادہ بھی کیا۔

حکیم استاد نے کھڑکی کی طرف سے باہر دیکھا تو آسمان صاف نظر آیا اور تھوڑی ہی دیر میں بجلی بھی آ گئی۔

دراصل انھوں نے طلبہ اور معلم دونوں کو یہ سبق پڑھا دیا کہ تیل دینے کی ذمے داری معلم پر ہے اور جلنے کی ذمے داری بچوں کے سپرد ہے۔

■

Mohammed Ramsheed P
Malappuram
Kerala- 676506
Mob.: 7994422597
mhdramsheed10@gmail.com

شیخ حسین

کھودا پہاڑ

اخبارات وسوشل میڈیا بس ایک ہی خبر سے بھرے پڑے تھے اور وہ خبر تھی شہر کے مشہور نواب جمشید خان کی حویلی سے چوری ہوئی اُن کی خاندانی ہیرا جڑی قیمتی انگوٹھی۔ چوری ہوئے دو دن گزر گئے تھے پر چور پکڑا نہیں گیا تھا۔اس وقت بھی جب نواب جمشید خان کے بارہ سالہ لڑکے امجد کا ہم عمر وہم جماعت دوست حسنین امجد کے بلانے پر حویلی کے پھاٹک پر پہنچا تو اس وقت بھی پولیس انسپکٹر چار پانچ حولداروں کے ساتھ امجد کے ابو سے باتیں کر رہا تھا وہیں پر کھڑا امجد حسنین کو آتا دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا اور مسکراتے ہوئے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا۔

’’پولیس نے چور پکڑ لیا کیا؟‘‘ حسنین نے آہستہ سے امجد سے پوچھا۔

’’نہیں دو دن سے تحقیقی کارروائی چل رہی ہے۔‘‘ امجد نے سرگوشی میں حسنین کو جواب دیا۔

اب وہ دونوں چلتے ہوئے انسپکٹر سے باتیں کر رہے امجد کے ابو کے قریب آچکے تھے۔

’’السلام علیکم انکل۔‘‘

’’وعلیکم السلام حسنین میاں۔ کیسے ہو؟‘‘ امجد کے ابو نے انسپکٹر سے حسنین کا تعارف کرواتے ہوئے کہا: ’’انسپکٹر صاحب! یہ حسنین ہے ہمارے لڑکے، امجد کا ہم جماعت اور گہرا دوست۔‘‘

حسنین نے انسپکٹر کی جانب مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

’’بڑا ہی اچھا لڑکا ہے اور ہاں انسپکٹر صاحب یہ صاحب بھی بڑے ہوکر پولیس انسپکٹر بننا چاہتے ہیں۔‘‘

’’نہیں انکل پولیس انسپکٹر نہیں جاسوس بننا ہے مجھے۔‘‘ حسنین کا جواب سن کر انسپکٹر نے ہلکا سا مسکرا کر اپنی توجہ دوسری جانب کر لی تو حسنین اور امجد حویلی کے اندر

داخل ہوگئے ۔ بڑے ہی خوبصورت درودیوار وقیمتی فرش وفانوس سے سجے دالان میں وسیع خوش نما نقش ونگار والے دلکش ڈائننگ ٹیبل پر امجد کی امی لذیز کھانوں کو سجائے ان دونوں کا ہی انتظار کر رہی تھی۔حسنین نے بڑے ادب سے سلام کیا۔امجد کی امی اُسے ڈھیر ساری دُعائیں دینے کے بعد بولیں :

’’چلو بچو! جلدی سے کھانا کھا لو ٹھنڈا ہو رہا ہے۔‘‘ پھر ملازمہ کو آواز دیا، ’’ارے ربانی بی جلدی سے کھیر لے آؤ۔‘‘

’’جی بی بی جی ابھی لائی ۔‘‘اسی وقت عمر رسیدہ ملازمہ دالان میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔

’’ارے بس آنٹی یہ سب ہی بہت ہے، ارے ربانی خالہ اور کچھ نہ لائیے یہ سب بہت پکا لیا آپ نے۔‘‘

’’ارے حسنین میاں اتنا سارا کھانا بنانے کے لیے اب ان ہڈیوں میں دم کہاں ۔ یہ کرشمہ تو ہماری بی بی کا ہے انھوں نے ہی یہ سارے پکوان تیار کیے ہیں۔‘‘

’’ارے آنٹی آپ نے یہ زحمت کیوں کی؟ کسی ملازم سے بنوا لیتی۔‘‘

’’ہاہاہا۔‘‘امجد جو اپنی عادت کے مطابق اپنے دانتوں سے ناخن کتر رہا تھا بناوٹی ہنسی ہنستے ہوئے کہنے لگا:

’’بھیا !حسنین اب لے دے کر یہ ربانی خالہ ہی حویلی میں رہ گئی باقی نوکر کام چھوڑ کر جا چکے۔‘‘

’’کیا سچ آنٹی؟‘‘حسنین نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’پھر کیا میں جھوٹ بول رہا ہوں؟ مجھ میں جھوٹ بولنے کی عادت نہیں ہے۔‘‘

’’سوائے اس بری عادت کے۔‘‘

’’تم اپنے دانتوں سے ناخن کترتے ہو۔‘‘امجد کی امی امجد کے ہاتھ پر زوردار چپت مارتے ہوئے حسنین سے مخاطب ہوئی۔

’’ہاں حسنین میاں یہ سچ ہے ، یہ بیچاری ربانی بی ہماری بڑی پرانی............‘‘

’’بس بس بی بی میرے پرانے ہونے محنتی ہونے کا مجھے کیا صلہ ملا، پولس نے انگوٹھی کی چوری کے شک میں میری انگلیوں کے نشانات لیے۔‘‘ ربانی بی رونے لگی۔

’’یہ کیا ربانی بی تم پھر سے شروع ہوگئیں؟ حویلی میں صرف تمھارے ہی انگلیوں کے نشانات نہیں لیے پولس نے دوسرے ملازموں کے بھی نشانات لیے نا؟‘‘

’’لیکن بی بی میں دوسروں میں سے نہیں ہوں۔‘‘ ربانی بی روتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔

’’پر حسنین ہماری امی جان کو نوکروں کے رہنے یا چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا وہ تو نوکروں کی موجودگی میں بھی خود کے ہاتھوں سے ہی اس سے بھی زیادہ کھانا پکا لیتی ہیں، یہ ان کی عادت ہے۔‘‘

’’ہاں یہ میری عادت ہے لیکن یہ تمھاری بری عادت کی طرح نہیں۔‘‘ ایک بار پھر امجد کی امی کی چپت امجد کے ہاتھ پر پڑی۔

’’آنٹی آخر کیوں سب نوکر حویلی چھوڑ کر چلے گئے؟‘‘ حسنین نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’ہاں میاں ، وہ انگوٹھی کے چوری ہو جانے پر پولس کا تحقیقاتی رویہ دو دنسے گھر کے ملازموں، سیکورٹی گارڈ حویلی میں لگے سی سی ٹی وی کیمرے، اڑوس پڑوس کے کیمرے، سب پولس نے کھنگال دیے پر

چور کا پتہ نہیں چلا؟“
”لیجیے کھیر۔“ ربانی بی دالان میں آ کر ڈائننگ ٹیبل پر برتن رکھتے ہوئے بولی۔
”ربانی خالہ! آپ اس حویلی میں کب سے کام کر رہی ہیں؟“
”بس یوں سمجھ لو دوست ربانی خالہ، ربانی خالہ نہیں ہماری امی کا جہیز ہے۔“ امجد خود ہی خود کی بات پر ہنسنے لگا۔
”خبردار! امجد یہ کیا بدتمیزی ہے کیا بڑوں کے لیے ایسی بات کرتے ہیں؟“
”اس میں بدتمیزی کیسی امی، آپ ہی تو کہتی ہیں نا کہ جب آپ دلہن بن کر اس گھر میں آئی تھیں تو آپ کے ساتھ ہی ربانی خالہ بھی آئی تھیں۔“
”اسی لیے تو میں کہتی ہوں نا کہ میں اوروں کی طرح نہیں ہوں۔“ ربانی نے پھر روہانسی لہجے میں کہا۔
”ارے میاں تم کھانا کھانا چھوڑ کر یہ کس الجھن میں الجھ پڑے ہو؟“
”بس آنٹی میں کھانا کھا چکا۔“
”ہائے اللہ تم نے تو کھانے کو برابر سے چکھا بھی نہیں اور کہہ رہے ہو کہ کھانا کھا چکا؟“
”آنٹی میں نے تو کم از کم کھانا چکھا آپ نے تو......“
”یہی تو ہماری امی کی عادت ہے، دنیا بھر کے کھانے پکاتی ہیں اور خود کھاتی نہیں، اوروں کو کھلانے کا شوق ہے ہماری امی کو۔“
”سچ حسنین میاں! کھانے تو میں بھی ایک سے بڑھ کر ایک بنا لیتی ہوں پر بی بی مجھے موقع ہی نہیں دیتی۔“
”بس بس ربانی خالہ پہلے آپ برتن تو ٹھیک سے دھو لیا کرو۔“
امجد کی امی نے پھر ایک چپت امجد کو رسید کی تو امجد اپنا ہاتھ سہلاتے ہوئے بولا:
”یہ کیا امی اب تو میں نے دانتوں سے ناخن بھی نہیں کترے۔“
”اس بار تمھیں مار تمھاری اُس گندی عادت کے لیے نہیں، اس لیے تھی کہ بڑوں کے لیے ایسی بدتمیزی سے بات نہیں کرتے۔“
”بدتمیزی کیسی امی آپ ہی تو کہتی ہیں نا کہ ربانی خالہ ٹھیک سے برتن نہیں دھوتیں۔“
”ہاں یہ سچ ہے پر میں ہوں نا کہنے کے لیے۔ ربانی بی کو بھی یہ بری عادت ہے کہ وہ ٹھیک سے برتن نہیں دھوتیں۔“
”خیر ربانی خالہ یہ بتائیں آپ کے خیال میں انگوٹھی کا چور کون ہو سکتا ہے؟“ حسنین نے کسی ماہر جاسوس کی طرح ربانی بی سے سوال کیا تو وہ مچل کر کہنے لگیں۔
”ارے میاں میں کیا جانوں، میری تو یہ عادت ہے کسی کا سونا بھی پڑا رہا تو میں نظر اُٹھا کر دیکھتی نہیں۔“
”ارے حسنین میاں تم بھی کس سے اپنی تحقیقات کا آغاز کر رہے ہو۔“ امجد کی امی اپنی ہنسی روکتے ہوئے بولیں:
”یہ ربانی بی نے پولس کو اپنے بیان میں تو یہ بولا کہ اس حویلی میں بھوت پریت کا سایہ ہے، آئے دن اسی طرح چیزیں غائب ہوتی ہیں۔“ کہتے کہتے امجد کی امی اور امجد ہنسنے لگے تو ربانی بی حسنین سے مخاطب ہوتے ہوئے بولیں:
”سچ میاں میں جھوٹ نہیں بول رہیں ہوں، باورچی خانے سے میرا چھالیہ کترنے کا سروتہ بھی......“

حسنین نے درمیان میں ہی امجد کی امی سے بولا:

''آنٹی آپ سے ایک سوال ہے؟''

''چائے پیو گے حسنین؟''

''جی نہیں آنٹی— آنٹی یہ بتائیں آپ کی وہ انگوٹھی کہاں سے چوری ہوئی تھی، آپ نے وہ انگوٹھی..........''

''ان کے ہاتھ سے یعنی جب انگوٹھی چوری ہوئی تب وہ انگوٹھی امی پہنے ہوئی تھیں۔ ہے نا امی؟'' امجد کی امی سے کیا گیا سوال کا جواب امجد نے دیا تھا۔

''اچھا— یہ بتاؤ امجد، وہ ہیرا جڑی قیمتی انگوٹھی آنٹی ہمیشہ پہنتی تھیں یا خاص موقعوں پر؟''

''ارے نہیں نہیں میاں میں خاص موقعوں پر ہی پہنا کرتی تھی جیسے کہیں آنا جانا ہو..........''

''ارے ہاں امی اُس روز آپ احمد خاں کے لڑکے کی شادی میں گئی تھیں نا؟''

''احمد خاں! کون احمد خاں؟'' حسنین نے حیران ہوکر پوچھا۔

''ہاں حسنین میاں اُس روز ہمارے سکیوریٹی گارڈ احمد خاں کے لڑکے کی شادی تھی، وہیں جاتے وقت وہ انگوٹھی پہنی تھی میں نے۔''

''تو شاید آپ نے وہ انگوٹھی وہیں اُتاری ہو؟''

''نہیں نہیں مجھے اچھے سے یاد ہے— جب میں شادی سے واپس آئی تھی رات کے آٹھ بج رہے تھے، بارش ہو رہی تھی— امجد کے ابا گھر ہی پر تھے اُن ہی کے کہنے پر میں نے پکوڑے بنائے تھے۔'' امجد کی امی کہتے کہتے اچانک ہی خاموش ہوگئیں گویا اُنھیں کچھ یاد آنے لگا ہو۔ وہ ایک دم کچھ کہے بغیر تیز تیز قدموں سے دالان سے باہر نکل گئیں۔ اُن کے پیچھے امجد اور حسنین بھی دوڑ کر باورچی خانے میں آ کھڑے ہوگئے۔ امجد کی امی باورچی خانے میں دیوانہ وار گیس سلنڈر کے آس پاس اپنے ہاتھوں سے ٹٹول کر کچھ تلاش کر رہی تھی۔

''کیا ڈھونڈ رہی ہو آنٹی؟''

''کیا آپ کو یاد آ گیا؟''

''ہاں اُس دن جب میں احمد خان کے لڑکے کی شادی سے واپس آئی تھی۔ پکوڑے بنانے کی وجہ سے میرے ہاتھوں میں بیسن لگا تھا اور بیسن کی وجہ سے انگوٹھی پہننا مشکل ہو رہا تھا تو میں نے اُسے اُتار کر گیس سلنڈر کے پاس رکھ دیا تھا۔''

''اور بھول گئیں؟'' امجد نے اپنے ہاتھ کمر پر رکھتے ہوئے بولا۔

''اور آنٹی آپ کو یاد بھی آ رہا ہے تو اب، جب دو دن گزر گئے؟''

امجد کی امی پھر تلاش کرنے لگی تو حسنین نے کہا:

''آنٹی اب تلاش کرنے سے کیا فائدہ؟ وہ چور نے چوری کر لی۔''

''چور؟ کون چور۔ حسنین میاں۔'' امجد کی امی نے حیران ہوکر پوچھا۔

''وہی جو اس جگہ بنا روک ٹوک بڑی بے تکلفی سے آتا جاتا ہے۔''

''یہاں میرے علاوہ ربانی بی آتی جاتی کیا سارا دن یہیں رہتی ہیں، لو اب بھی وہ تمھارے پیچھے کھڑی ہیں۔'' وہ ربانی بی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولیں:

''ہاں پر یقین کرو میں چور نہیں ہوں۔'' ربانی بی پھر

رونے لگیں۔ جسے دیکھ کر امجد اور اُس کی امی وہاں چلے گئے۔ ربانی بی روئے جارہی تھی حسنین خاموشی سے باورچی خانے کا جائزہ لینے لگا اور جب باورچی خانے سے باہر نکلا تو اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔ اُسی کے کہنے پر وہ نا صرف آج کی رات حویلی میں رکنا چاہتا تھا بلکہ اُسی کے کہنے پر اُس کا بستر باورچی خانے کے پاس لگایا گیا تھا۔ جب رات آدھی سے زیادہ گزر گئی اور سب نیند کا مزہ لینے لگے تب حسنین ایک بار پھر باورچی خانے میں آیا اور ایک چمچ کو آٹے کی گولی چپکا کر فرش پر چھوڑ دیا اور اپنے بستر پر واپس آیا تو وہاں امجد کو بیٹھا پایا۔

”ارے حسنین کہاں چلے گئے تھے؟“

جواب میں حسنین اُسے یوں ہی مسکرا کر دیکھنے لگا:

”کیا واقعی حسنین تم صبح تک انگوٹھی کے چور کو پکڑ لو گے؟“

اچانک اُنھیں باورچی خانے سے کچھ آوازیں آنے لگیں۔

”ارے حسنین یہ آوازیں کیسی؟“

رات کے سناٹے میں امجد کی آواز گونج گئی تو حسنین نے اپنے ہونٹوں پر اُنگلی رکھ کر اُسے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باورچی خانے میں آ گیا۔ دیکھا تو ایک چوہا آٹا لگا چمچ کھینچ رہا تھا۔ پر جب ان لوگوں کی آہٹ ہوئی تو چمچ چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اتنی دیر میں ان دونوں دوستوں کی آوازیں سن کر امجد کی امی ابو اور ربانی بی سب باورچی خانے میں آ دھمکے۔

”کیا بات ہے بچو! تم لوگ اتنی رات گئے یہاں؟“

”امجد کے ابو حیران ہو کر بولے۔

”انکل چور پکڑا گیا۔“

”چور! کہاں ہے چور؟“ امجد سمیت سب ہی اِدھر اُدھر دیکھنے لگے۔ حسنین نے دیوار میں بنے ایک سوراخ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے بولا:

”اس بل میں چور اور چوری کا مال ہے۔“

آن کی آن میں امجد کے ابو نے خود بل کو کھودا تو پہلے چوہا بل سے نکل کر بھاگا، پھر باورچی خانے کے چھوٹے چھوٹے برتن، ربانی بی کا سروتہ اور وہ حویلی کی خاندانی ہیرا جڑی قیمتی انگوٹھی بھی نکلی جس کے چرچے شہر بھر میں مشہور تھے۔ سب پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی انگوٹھی کو تو کبھی حسنین کو دیکھ رہے تھے۔ حسنین ربانی بی کے قریب آ کر بولا:

”ہاں! ربانی خالہ آپ چور نہیں ہو، پر چوری ہونے کی وجہ آپ ضرور ہو، تمھارے وہ برتن برابر نہ دھونے کی عادت نے اس حویلی کے چوہے کو برتن کو اپنے بل میں لے جانے کی عادت لگا دی تھی۔“ اسی وقت امجد بھی اپنے کان پکڑ کر آگے بڑھا اور کہنے لگا:

”اس سے پہلے کہ میرے دانتوں سے ناخن کترنے کی یہ بری عادت ربانی خالہ کی عادت کی طرح ایسا کوئی گُل کھلائے، میں وعدہ کرتا ہوں میں یہ بری عادت چھوڑ رہا ہوں۔“ سب قہقہہ مار کر ہنس پڑتے ہیں۔

■

Shaikh Husain
Sikandar Park, Maqsood Colony
Aurangabad - 431001 (Maharashtra)
Mob.: 9325774703
its.faizan07@gmail.com

کہانیاں

شیر بیتی

محمد اسداللہ

میں شیر ہوں، مگر گھبرائیے نہیں۔ کاغذ پر لکھے اس مضمون کی مدد سے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے کاغذی شیر بھی کہہ سکتے ہیں۔ کاغذی شیر عام طور پر ان لوگوں کو کہا جاتا ہے جو خطرناک نہیں ہوتے۔ آپ کو بھی مجھ سے کوئی خطرہ نہیں۔ مزہ تو جب ہے ہم اور آپ آمنے سامنے ہوں۔

یہ دور تک پھیلا ہوا گھنا جنگل میرا گھر ہے، لوگ مجھے جنگل کا راجا کہتے ہیں مگر اب دنیا میں راجا اور مہاراجا رہے اور نہ ہی ان کی وہ شان باقی ہے۔ اب ہر طرف جنگل کاٹ کاٹ کر شہر بنائے جا رہے ہیں۔ کل ایک لومڑی مجھ سے کہہ رہی تھی، شیر جی! سنا ہے شہر میں ہر طرح کی سہولتیں ہوا کرتی ہیں، آپ بھی وہیں جا کر کیوں نہیں بس جاتے؟

میں نے اس سے کہا، 'میں اپنے اس ہرے بھرے گھر ہی میں اچھا ہوں؟' اپنا گھر سبھی کو پیارا ہوا کرتا ہے، دوسری بات یہ کہ شہر میں اب مجھ سے بھی زیادہ خطرناک لوگ رہنے لگے ہیں۔

وقت کے ساتھ اب جنگلوں میں ڈھیرے ڈھیرے

ہماری تعداد گھٹ رہی ہے۔ جنگل کے جانوروں میں شیر اتنے کم رہ گئے ہیں کہ یوں کہا جا سکتا ہے کہ بس آٹے میں نمک کے برابر ہیں۔ آٹے یا کھانے میں نمک نہ ہو تو سارا مزہ جاتا رہتا ہے۔یعنی کوئی معمولی چیز بھی کم ہو جائے تو بڑا فرق پڑ جاتا ہے، اسی لیے کسی کو کمتر نہیں سمجھنا چاہیے۔

ذرا سوچیے اگر دنیا میں شیر نہ ہوں یعنی اس دنیا سے سارے شیر غائب کر دیے جائیں تو کیا قیامت آجائے گی؟ شیر بھلا کس مرض کی دوا ہے۔ سوائے دہاڑنے اور جنگلی جانوروں پر حملہ کر کے انھیں چیر پھاڑ کر کھا جانے کے وہ کرتا کیا ہے۔مگر نہیں! خدا نے ہمیں اس زمین پر پیدا کیا ہے تو کوئی بات تو ہوگی۔ اس رنگ برنگی اور عجیب و غریب دنیا کے بنانے والے نے یہاں ایک تنکا بھی بیکار نہیں بنایا۔

اس دنیا میں اپنے ہونے کی ایک وجہ مجھے یہ سمجھ میں آتی ہے کہ میں بہادری کی مثال ہوں جیسے گیدڑ اپنی بزدلی کے لیے پہچانا جاتا ہے۔کوئی شخص بڑا بہادر ہو تو اسے شیر کہا جاتا ہے۔کسی علاقے میں کسی شخص کی دھاک بیٹھی ہو تو اسے اس علاقے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جیسے شیر پنجاب، مضبوط دل آدمی شیر دل کہلاتا ہے۔مشہور صحابی حضرت علی کو ان کی بہادری کے سبب شیر خدا یعنی اسد اللہ کہا جاتا تھا۔ کہتے ہیں شیر کی ایک دن کی زندگی گیدڑ کی ہزار سال کی زندگی سے بہتر ہے۔یعنی دلیری کے ساتھ تھوڑی سی زندگی گزارنا، ڈر ڈر کر برسوں جینے سے اچھا ہے۔

ہم جنگل میں اسی طرح رہتے ہیں جیسے انسان کے اندر بہادری پائی جاتی ہے۔ ہر انسان ایک جنگل ہی تو ہے جس میں جانوروں جیسی خوبیاں یا برائیاں ہوا کرتی ہیں۔ ہم بہادری کے لیے مشہور ہیں کسی کی بہادری کا ذکر ہو تو شیر کی مثال دی جاتی ہے۔ اردو کے شاعروں نے بھی ہماری بہادری کی تعریف کی ہے۔ ایک شاعر نے ہماری بہادری کی تعریف اس طرح کی ہے کہ 'شیروں کے پسر شیر ہی ہوتے ہیں جہاں میں'۔

یعنی بہادروں کی اولاد بھی بہادر ہی ہوتی ہے۔

آج دنیا میں شیروں کی تعداد گھٹ رہی ہے، اس کا کہیں یہ مطلب تو نہیں کہ دنیا میں دلیری کم ہوتی جا رہی ہے اور چالبازی و مکاری بڑھتی جا رہی ہے۔حکومت بھی اس بات کو سمجھتی ہے کہ کسی چیز میں اگر کوئی بڑی خوبی ہے تو اس کی تھوڑی سی برائی کو برداشت کر لینا چاہیے اور اس کی قدر کرنی چاہیے۔ دیکھیے حکومت کو ہماری کتنی فکر ہے۔ اب ہمارے شکار کرنے پر پابندی لگا دی گئی ہے تا کہ اس دنیا سے کہیں ہمارا صفایا ہی نہ ہو جائے۔

یہ دنیا اسی لیے بڑی زبردست ہے کہ اس میں بھانت بھانت کی چیزیں ہیں اچھی بھی اور بری بھی۔ اب بھی جب لوگ جنگل سفاری میں سوار ہو کر گھنے جنگلوں کی سیر کو نکلتے ہیں اور کہیں میری ایک جھلک پا لیتے ہیں تو باغ باغ ہو جاتے ہیں کہ آج ہم نے اپنی آنکھوں سے شیر کو گھومتے پھرتے ہوئے دیکھا ہے۔ میں چڑیا گھر بھی میں لوگوں کی دلچسپی کا مرکز ہوں اور سرکس میں بھی۔ مگر سرکس کا شیر اچھا نہیں سمجھا جاتا۔اس لیے کہ اگر ہم وہاں ہوں تو ہمیں رنگ ماسٹر کے حکم کے مطابق حرکتیں کرنی پڑتی ہیں۔ اس کے کوڑے کے ڈر سے اٹھنا بیٹھنا پڑتا ہے۔

ہم جنگل میں آزاد ہیں اور سرکس میں غلام اور غلامی اچھی چیز نہیں۔ اگر کسی کو کہا جائے کہ تم شیر ہو تو وہ کتنا ہی ڈرپوک کیوں نہ ہو تھوڑی دیر کے لیے ہی سہی اس کا سینہ فخر سے پھول جاتا ہے اور وہ واقعی اپنے آپ کو بڑا اور بہادر سمجھنے لگتا ہے۔ اس کے برخلاف اگر کسی کو سرکس کا شیر کہہ کر پکارا جائے تو یہ اس کے لیے گالی ہے۔

زندگی تو آزادی کا نام ہے، بہادری کا نام ہے اور ہمیں دیکھ کر لوگوں کو پتہ چلتا ہے کہ انسان کی زندگی کی ایک خوبی دلیری ہے جو شیر سے سیکھنی چاہیے۔ اسی لیے ہماری حفاظت کی جارہی ہے تاکہ انسان ہمیں دیکھ کر جان لیں کہ جینا اسی کا نام ہے۔ آپ کو بھی اپنے اندر کچھ ایسی خوبیاں پیدا کرنی چاہیے کہ آپ کی ناپسندیدہ باتوں کے باوجود لوگ آپ کی ضرورت محسوس کریں۔ ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ہر اچھی عادت انسان اپنے اندر پیدا کر سکتا ہے؟

عادت تو اپنائی جاسکتی ہے لیکن فطرت ہر جاندار کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اسے نئے سرے سے پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ ہمارے اندر خوبیاں موجود ہوتی ہیں۔ بس انھیں پہچاننا پڑتا ہے۔ اگر ان خوبیوں کا احساس ہو جائے اور ہم ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو ایسا کر سکتے ہیں اور اگر ان کو نظر انداز کردیں تو وہ چیزیں ختم ہو جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ہمارے بارے میں ایک کہانی آپ نے سنی ہوگی کہ ایک جنگل میں کسی نے ایک شیرنی کا شکار کیا۔ اس کا ایک چھوٹا سا بچہ بھی تھا۔ اس بچے کو بکریاں اٹھا کر لے گئیں اور اسے پال پوس کر بڑا کیا۔ اب شیر کا بچہ بکریوں میں رہ کر خود کو بکری ہی سمجھنے لگا۔ وہ دوسرے جانوروں سے ڈرتا تھا۔ ایک دن کسی نے اسے بتایا کہ تم تو شیر ہو ذرا اپنی اصلیت ان جانوروں کو بتاؤ۔ پھر کیا تھا۔ شیر کے بچے نے جو دہاڑ لگائی تو سارے جانور ڈر کر بھاگ گئے۔

ایک زمانہ تھا جب راجا، نواب ہمارا شکار کرتے، ہمارے ساتھ فوٹو کھنچواتے، ہماری کھال اپنے ڈرائنگ روم میں لگاتے اور ہمارے شکار کے قصے بڑی شان کے ساتھ بیان کیا کرتے تھے۔ شکار کے لیے بڑے انتظام کے ساتھ جنگل میں نکلتے۔ درجنوں نوکر چاکر ساتھ ہوتے۔ ہانکا لگتا یعنی زور زور سے ڈھول بجائے جاتے۔ مچان باندھ کر ہمیں بلانے کے لیے اس کے نیچے بکری کو چارے کے طور پر باندھ دیا جاتا اور مچان پر چڑھ کر، بندوق سنبھال کر ہمارا انتظار کیا جاتا کہ کب ہم جانور کی مہک پا کر مچان کے نیچے آئیں اور ہمارا شکار کیا جائے۔

مشہور ادیب جم کاربیٹ نے ہمارے شکار کے کئی قصے اپنی کتابوں میں بیان کیے ہیں، انھیں پڑھ کر آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہم صرف بہادر ہی نہیں، بہت زیادہ ذہین، ہوشیار اور محتاط ہیں اسی کے ساتھ اپنی حفاظت کرنے اور جانور یا انسان کا شکار کرنے میں ماہر بھی ہیں۔

آج میں نے اپنے بارے میں آپ کو بہت سی باتیں بتادیں۔ اب اجازت دیجیے۔ پھر ملیں گے۔ کسی جنگل میں سرکس میں یا کم از کم کسی فلم، ویڈیو، یا تصویر ہی میں سہی۔ خدا حافظ۔

■

Mohd Asadullah
30, Gulistan Colony, Jafar Nagar
Nagpur - 449913 (Maharashtra)
Mob.: 9579591149
zarnigar2006@gmail.com

انور ہادی جنیدی

پاپڑ والی بڑھیا

جنید کا تعلق ایک غریب گھرانے سے تھا۔ اس کے والد محنت کش آدمی تھے، جو مزدوری کرتے تھے، گھر کی روزی روٹی بڑی مشکل سے چل رہی تھی، کام نہیں ملتا تو سارا گھر سناٹے میں ڈوب جاتا۔ ماں سکینہ ہر بار صبر کا دامن تھام لیتی، مگر دل ہی دل میں آنسو پی جاتی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کا شوہر جان بوجھ کر خالی ہاتھ نہیں آتا، حالات ہی ایسے ہیں کہ محنت رنگ نہیں لاتی۔ جنید ان دونوں کے درمیان امید کی وہ کرن تھا جس کی آنکھوں میں خواب تو بہت تھے مگر ان خوابوں کے رنگ ادھورے، پھیکے اور کمزور تھے۔

جنید نے جب پانچویں جماعت پاس کی تو اس کے والد نے اس کی پیٹھ تھپتھپاتے ہوئے کہا، ”بیٹا، اب تو ہائی اسکول میں جائے گا، خوب محنت سے دل لگا کر پڑھائی کرنا۔ سکینہ نے بھی خوشی سے اپنے آنسو چھپاتے ہوئے کہا، بس بیٹا، ہم تو زیادہ کچھ نہیں دے سکتے، بس ہماری دعائیں تمھارے ساتھ ہیں۔ یوں جنید ہائی اسکول پہنچ گیا۔ نئی کتابیں، نیا ماحول، نئے دوست، مگر پرانی غربت ساتھ ہی چلی آئی۔ وہی پھٹے ہوئے جوتے، وہی پرانے کپڑے، اور وہی خالی جیب۔ اس کے اکثر ہم جماعت رنگین بستے اور عمدہ جوتے پہنے کر آتے۔ بعض کے ہاتھ میں لنچ باکس ہوتا جس سے خوشبودار کھانے کی مہک اٹھتی۔ جنید صرف ایک خالی تھیلی لے کر آتا تھا جس میں کتابوں کے علاوہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ پڑھائی میں وہ ہوشیار تھا، مگر بھوک اکثر اس کی توجہ کو نگل جاتی۔ کبھی کبھی وہ پیٹ پر ہاتھ رکھ کر ہنستا، جیسے بھوک کو بہلا رہا ہو۔ اسکول کے گیٹ

کے باہر ایک بوڑھی عورت بیٹھی تھی، جو بانس کی چھوٹی ٹوکری میں پاپڑ رکھے بیچا کرتی تھی۔ اس کی آنکھوں میں نرمی تھی، مگر جسم میں کمزوری۔ ایک دن جنید اسکول سے بھوکا لوٹ رہا تھا۔ اس کے جوتے مٹی سے بھرے ہوئے، اور قدم جیسے تھکن سے بوجھل تھے۔ وہ اسی گیٹ کے پاس رکا جہاں بڑھیا اپنی ٹوکری میں پاپڑ سجا رہی تھی۔ خوشبودار پاپڑوں کی خوشبو نے اسے بے اختیار کر دیا۔ اس نے بس ایک لمحے کو رک کر ٹوکری کی طرف دیکھا، پھر نظریں جھکا لیں۔ بڑھیا نے مسکرا کر کہا، بیٹا، لے لو نا ایک پاپڑ، بہت کرارا ہے۔ جنید نے جیب پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، دادی، میرے پاس پیسے نہیں ہیں۔ بڑھیا نے محبت بھری نگاہوں سے اسے دیکھا اور بولی، پیسے بعد میں دینا، ابھی کھا لو۔ بھوکے پیٹ پڑھائی نہیں ہوتی۔ جنید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بڑھیا نے خود ایک پاپڑ بڑھا دیا۔ لے بیٹا، اللہ تیرا بھلا کرے۔

جنید نے ہچکچاتے ہوئے پاپڑ لے لیا۔ اس کا ذائقہ اس دن دنیا کی سب سے قیمتی چیز جیسا لگا۔ نمک، تیل، اور بڑھیا کی محبت، تینوں نے مل کر ایک عجیب سی مٹھاس پیدا کر دی تھی۔ اس دن کے بعد جب بھی اسکول سے نکلتا، بڑھیا کی ٹوکری کے پاس رک جاتا۔ کبھی ایک پاپڑ، کبھی دو۔ وہ ہمیشہ یہی کہتی، جب پیسے ہوں، تب دے دینا، کوئی جلدی نہیں۔ وقت تیزی سے گزرتا گیا۔ ایک ہفتہ، پھر دو، پھر ایک مہینہ۔ بڑھیا کی محبت بھری نظر اور مسکراہٹ جنید کے دن کا خوبصورت لمحہ بن چکے تھے۔ مگر ایک دن جب اسکول ختم ہوا اور جنید دوڑتا ہوا گیٹ پر پہنچا، تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ شاید آج نہیں آئی ہوگی ...... اس نے خود کو تسلی دی۔ مگر اگلے دن، اگلے ہفتے، اور پھر اگلے مہینے بھی وہ نہ آئی۔ جنید کا دل اداس رہنے لگا۔ اس نے کئی بار سوچا کہ وہ کہاں چلی گئی ہوگی! اس کے ذہن میں عجیب خیال آتے، کہیں بیمار تو نہیں پڑ گئی؟ کہیں کوئی حادثہ تو نہیں ہوا؟ یا شاید شہر چھوڑ دیا؟ مگر ان سوالوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔

وقت آگے بڑھتا گیا۔ جنید نے ہمت نہیں ہاری، اپنی پڑھائی جاری رکھی۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ زندگی میں اگر کسی نے اس پر یقین کیا ہے تو وہ اس بوڑھی عورت نے، جس نے اس کی خالی جیب میں امید ڈال دی تھی۔ سال گزرتے گئے۔ غربت نے آہستہ آہستہ ہار مان لی۔ جنید نے تعلیم مکمل کی، محنت کی، اور ایک اچھے عہدے پر فائز ہو گیا۔ اب اس کے پاس سب کچھ تھا، گھر، گاڑی، عزت، اور سکون۔ مگر ایک چیز کی کمی ہمیشہ محسوس ہوتی! وہ پاپڑ بیچنے والی بڑھیا۔ اکثر وہ شام کے وقت چائے کے ساتھ بیٹھ کر ماضی کے دریچوں میں جھانکتا۔ اسے یاد آتا کہ کیسے ایک اجنبی عورت نے اس کی بھوک مٹائی تھی۔ ایک دن اس نے فیصلہ کیا کہ وہ اسے ڈھونڈے گا۔ وہ شہر کے پرانے حصے میں گیا، اسکول کے قریب کے علاقے اور گلیوں میں تفتیش کی، یہاں کبھی ایک بڑھیا پاپڑ بیچا کرتی تھی...... کمزور سی بڑی مہربان...... لوگ سوچتے، سر ہلاتے، مگر کسی کو پتا نہیں تھا کہ وہ اب کہاں ہے۔ کئی برسوں تک وہ اس کی تلاش میں رہا۔ کبھی میلے میں، کبھی پرانی بستیوں میں، کبھی پسماندہ محلوں میں۔ کبھی کبھی جنید سوچتا کہ اگر وہ زندہ ہوگی تو اب بہت بوڑھی ہو چکی ہوگی۔ یا شاید وہ اب اس دنیا میں ہی نہ ہو۔ مگر پھر بھی وہ دعا کرتا، اے اللہ، جہاں کہیں ہو، اسے خوش رکھنا۔ میں اس کا قرض کبھی نہیں

اتار سکا، مگر اس کی دعا آج بھی میری زندگی کا سہارا ہے۔

ایک دن اس نے اپنے دفتر کی میز پر ایک چھوٹا سا کاغذ رکھا، جس پر لکھا تھا، میں نے زندگی میں بہت قرض چکائے، مگر ایک قرض ایسا ہے جو محبت کا ہے، شفقت کا ہے، اور وہ کبھی ادا نہیں ہوسکتا۔ یہ الفاظ وہ روز پڑھتا اور مسکرا دیتا۔ اس کی مسکراہٹ میں شکر گزاری چھپی ہوتی۔ بعض قرض پیسوں سے نہیں چکائے جا سکتے، وہ صرف دعاؤں سے ادا ہوتے ہیں۔ جنید کی بیٹی ایک دن اس کے پاس آئی اور پوچھا، بابا، آپ ہر روز اسکول کے پاس اس پرانی گلی میں کیوں جاتے ہیں؟ وہاں تو کچھ بھی نہیں ہے! جنید نے پیار سے اپنی بیٹی کے سر پر ہاتھ رکھا اور کہا، وہاں کوئی نہیں، مگر میرا ماضی ہے، میری بھوک کی خوشبو، اور ایک بڑھیا کی دعا ہے۔

وقت گزرتا گیا۔ جنید کے بالوں میں اب سفیدی چھا رہی ہے۔ مگر اس کی آنکھوں میں ابھی بھی وہی امید تھی کہ شاید کسی دن، کسی موڑ پر، اسے وہ بڑھیا اپنی شکل میں نہ سہی کسی اور شکل میں دکھائی دے، مگر! بعض انتظار ختم نہیں ہوتے، وہ دل کی دیواروں پر نقش ہو جاتے ہیں۔ جنید کا بھی وہی حال تھا۔ اس کا دل آج بھی اس لمحے کو ڈھونڈتا تھا جب ایک بڑھیا نے کہا تھا، لے بیٹا، پیسے بعد میں دینا...... بھوک کے پیٹ پڑھائی نہیں ہوتی۔

■

Anwar Hadi Junaidi
D/NO:9/735 SGM Mansion
Hussainia Masjid Road
Agadi Street Kadapa - 516001 (AP)
Cell: 7013282616
anwar.hadi786@gmail.com

Subscription Form "Bachon Ki Duniya"

سالانہ خریداری فارم

میں بچوں کی دنیا' کا رکی سالانہ خریدار بننا چاہتا / چاہتی ہوں۔

145 روپے کا ڈرافٹ / منی آرڈر.................................. بتاریخ..................................

بنام National Council for Promotion of Urdu Language منسلک ہے۔

میں نے زرِتعاون سالانہ -/145 روپے IFSC: CNRB0019009، A/C: 90092010045326 میں جمع کروا دیا ہے۔

آپ 'بچوں کی دنیا' ایک سال کے لیے اس پتے پر بھجوائیں:

نام : ....

پتہ : ....

....

....

اس فارم کو درج ذیل پتے پر بھیج دیں:

Sales Department: NCPUL, West Block 8, Wing7, RK Puram, New Delhi - 110066

Email.: magazines@ncpul.in , 011-26108159: فیکس 011-26109746: فون

دستخط

با تصویر کہانی

قسط 2

داستاں گو آیا ہے

رتن سنگھ

مصور: فجرالدین

جنگل کی عظمت دیکھ کر وُہ بھول گیا تھا کہ وُہ سپنا دیکھ رہا ہے۔
وُہ سمجھتا تھا کہ وُہ حقیقت جی رہا ہے۔
سپنے میں تو ایسا ہوتا ہے۔
جو دل چاہتا ہے، تو وہ ہو جاتا ہے۔
اِس لیے اُس وقت ایک معجزہ ہوا
اور اُس کے کندھے پر ایک کلہاڑا آ گیا۔
لکڑہارا خوش ہُوا
اور لکڑی کاٹنے کی بات سوچنے لگا۔
اُس نے کلہاڑا ہاتھ میں پکڑا
اور پیڑ پر چوٹ کرنے کے لیے کلہاڑا اوپر اُٹھایا
تبھی ہوا میں لہراتی ایک آواز نے اُسے ٹوکا
اِسے مت کاٹو۔ یہ نیم ہے۔
یہ تو اپنے آپ میں پورا حکیم ہے۔
اِسے دیکھ کر ہر بیماری کانپتی ہے
کیونکہ اِس کی کڑواہٹ میں امرت کی دھار بسی ہوتی ہے۔
لکڑہارے نے اِدھر اُدھر دیکھا
حیران ہوا۔ وہاں تو کوئی نہ تھا۔
پھر بھی وہ نیم کو چھوڑ کر دُوسرے پیڑ کی طرف بڑھا
تبھی ایک آواز پھر ہوا میں لہرائی
اور اس کے کانوں سے ٹکرائی۔

یہ پیپل ہے۔ آگے نہ بڑھو۔ ٹھہر جاؤ
اپنے راستے میں کانٹے نہ پھیلاؤ۔
اِسے بچا کر، زندگی کو بچاؤ۔
اِس کی جڑ، چھال، پتے، بیج، کن کن دوا ہے
اِسی لیے لوگ کہتے ہیں کہ یہ پیڑ نہیں۔ دیوتا ہے۔

اِس طرح لکڑ ہارا، جدھر بھی قدم بڑھائے۔
تبھی ہوا میں لہراتی ہوئی آواز آئے
ہر پیڑ کے گن گنوائے
اور اُسے کاٹنے سے ٹوکتی جائے۔
ہوتے ہوتے لکڑ ہارے کے سامنے ایک سُوکھا پیڑ پڑا۔
تو وہ زمین پر مٹی کے ساتھ مٹی ہوتا جا رہا تھا۔

اُس نے سوچا اِسے کاٹنے سے اُسے کوئی نہیں روکے گا
اور وُہ کلہاڑا ہاتھ میں لیے آگے بڑھا
لیکن پھر وہی آواز پھر سے آئی
اور لکڑ ہارے کو ایک نئی بات بتائی۔
پیڑ مر کر بھی پیڑوں کا بھلا کرتے ہیں
وُہ مٹی سے مٹی ہو کر اُن کے لیے کھاد بن جاتے ہیں
یہ سُوکھی سڑی لکڑی، دُوسروں کے لیے زندگی بن جائے گی۔
اور خود بھی پتے پتے میں ہری بھری ہو کر لہرائے گی۔

آخر لکڑہارا سپنے میں چلتا چلتا
آگے بڑھتا رہا۔ اور آخر وہ ایک برگد کے نیچے پہنچ گیا۔
برگد، آپ جانتے ہیں کہ پیڑوں کا بادشاہ ہے۔
بادشاہ ہے، مگر خود کو زِندگی کا خادم سمجھتا ہے۔
اُسی نے ہوا کے ذریعے پیغام بھیجا تھا۔
اور لکڑہارے کو پیڑ کاٹنے سے روکا تھا۔

لکڑہارا سوتے میں سپنا دیکھ رہا تھا۔
مگر خود کو جاگتا ہُوا سمجھ رہا تھا۔
اُسے جب یہ احساس ہوا کہ وہ جنگل کے بادشاہ کے دربار میں پہنچ گیا ہے
تو اُس نے سوچا۔ میرے لیے اپنی بات کہنے کا یہی موقعہ ہے۔
اُس نے ہمت بٹوری اور یوں گویا ہوا
حضور! لکڑی نہیں کاٹوں گا تو بیچوں گا کیا؟
اِسی میں روزی ہے۔ روٹی ہے، اِسی سے اپنا گزارا کرتا ہوں
یہ سہارا نہ رہا تو آج نہیں تو کل مرتا ہوں۔
تھوڑی دیر کے لیے وہاں سناٹا چھا گیا
تبھی ہوا کا ایک ٹھنڈا میٹھا جھونکا آیا
اُس نے لکڑہارے کو دِلاسہ دِیا
اور آخر یوں گویا ہوا۔

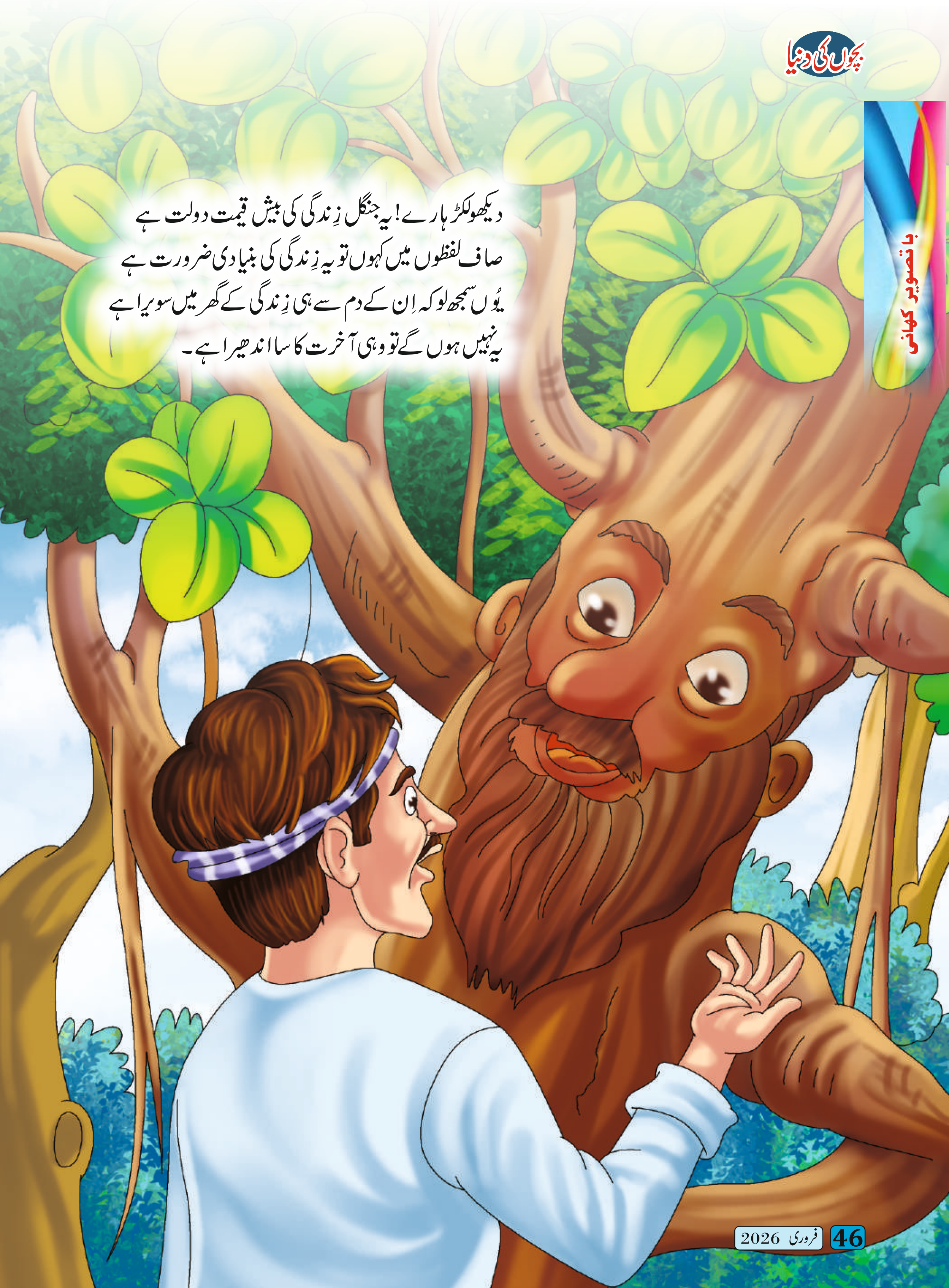
دیکھو لکڑ ہارے! یہ جنگل زِندگی کی بیش قیمت دولت ہے
صاف لفظوں میں کہوں تو یہ زِندگی کی بنیادی ضرورت ہے
یُوں سمجھ لو کہ اِن کے دم سے ہی زِندگی کے گھر میں سویرا ہے
یہ نہیں ہوں گے تو وہی آخرت کا سا اندھیرا ہے۔

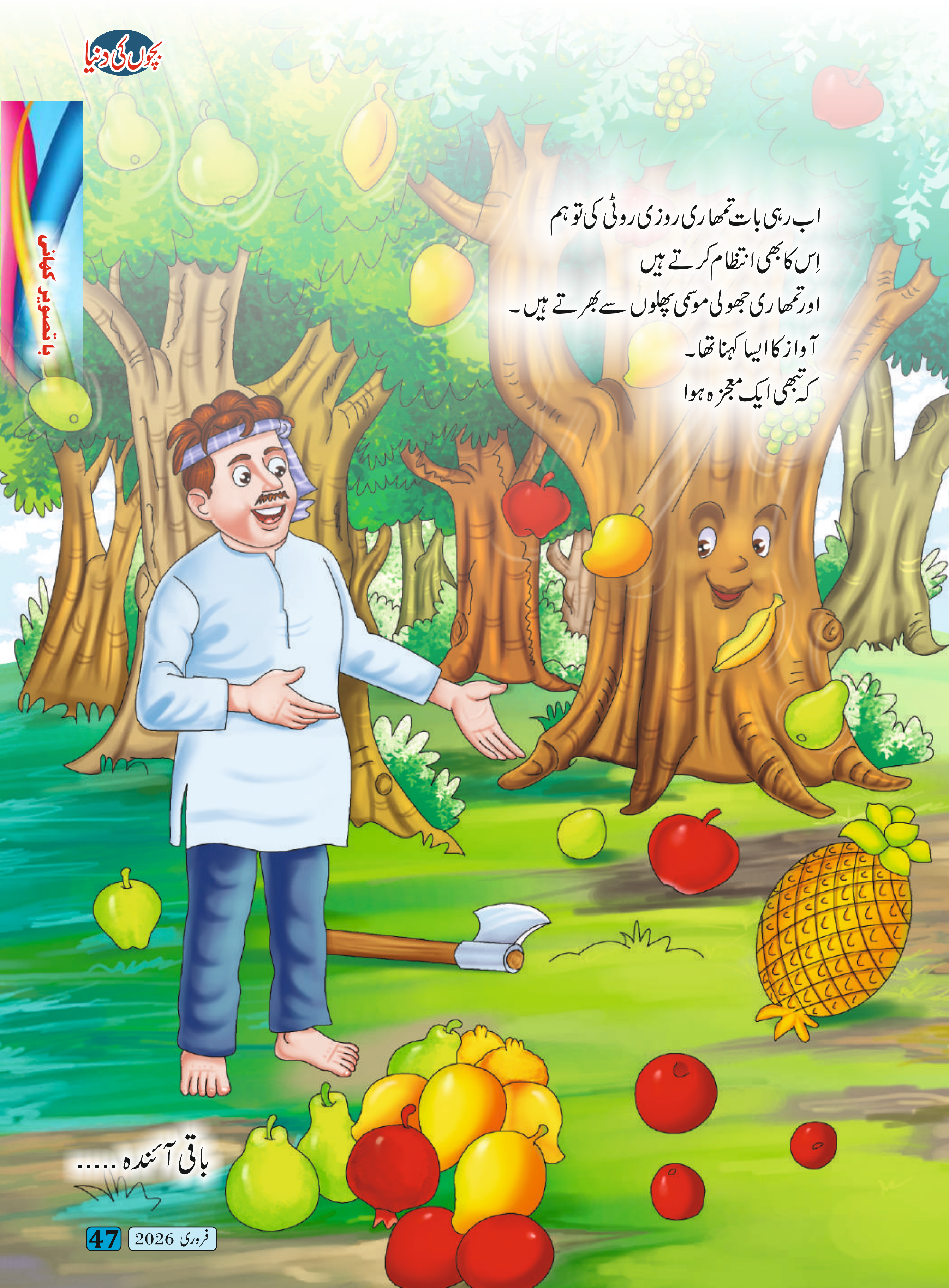
اب رہی بات تمھاری روزی روٹی کی تو ہم
اِس کا بھی انتظام کرتے ہیں
اور تمھاری جھولی موسمی پھلوں سے بھرتے ہیں۔
آواز کا ایسا کہنا تھا۔
کہ تبھی ایک معجزہ ہوا
باقی آئندہ .....

عبدالمجید مکرو

صحت

بادام کے پانچ فوائد

اکثر مائیں ہمیں بچپن میں صبح سویرے نہار منھ بادام دیا کرتی تھیں، آج یہی ٹوٹکے آپ کے بال اور جلد کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں، آج کل یقینی طور پر سب یہی چاہتے ہیں کہ ان کے صحت مند بال اور خوبصورت جلد ہوں، اگر آپ بھی پتلے دو منہ والے بالوں سے پریشان ہیں یا آپ اپنی جلد کو داغ دھبوں سے پاک رکھنا چاہتے ہیں تو بادام کا استعمال انتہائی ضروری ہے۔

1. نشو ونما میں اضافہ

بادام کھانے سے بال کی نشو و نما میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ بالوں کی طاقت اور ساخت Structure کو بہتر بنانے میں مدد کرتا ہے۔ یہاں تک کہ مشہور ماہرین جلد Skin Specialists کا خیال ہے کہ بادام جلد کو نکھارنے اور بالوں کی جڑوں کو مضبوط کرنے میں بے حد فائدہ مند ہے۔

2. بالوں کو گرنے سے بچانے میں

ہمارے بالوں کی صحت ہماری خوراک میں موجود میگنیشیم (Magnisium) بادام میں پایا جاتا ہے۔ میگنیشیم سے بھرپور بادام کا تیل بالوں کے جھڑنے والے مسائل سے چھٹکارا پانے میں مدد دیتا ہے۔

3. جلد کی جھریاں ختم ہونے میں مددگار

ماہرین کے مطابق بادام کے تیل Almond Oil کو چہرے پر لگانے سے جھریاں ختم ہوتی ہیں۔ یہ داغ دھبے صاف کرتا ہے اور اسے بہترین Moisturizer کے طور پر بھی استعمال کیا جا سکتا ہے۔

4. خشکی ختم کرنے میں فائدہ مند

اگر آپ سر پر خشکی (Dryness) سے پریشان ہیں تو بادام کا تیل بے حد مفید ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بادام کے تیل کے ذریعے بالوں اور جلد دونوں کو ہائیڈریٹ

(Hydrate) کرنے سے بالوں کے اندر پائی جانے والی خشکی آہستہ آہستہ ختم ہوجاتی ہے۔

5. گنجے پن سے محفوظ

بادام کا تیل بالوں کو سورج کی شعاعوں (Sunlight) سے بچاتا ہے کیونکہ اس میں قدرتی ایس پی ایف (Sun Protection Factor) سن اسکرین ہے ۔ اس کے علاوہ بادام کے تیل میں وٹامن ای (Vitamin E) موجود ہوتا ہے اور یہ وٹامن سر کے اسکرین کو کم کرتا ہے جو گنجاپن کا امکان کم کرتا ہے۔

کڑوے بادام کا تیل بالوں میں کس طرح لگائیں:

(1) بالوں کو اچھی طرح سلجھالیں

(2) اوپر سے نیچے تک بالوں میں کنگھا کریں، اس سے دوران خون (Blood Circulation) تیز ہوتا ہے۔

(3) آدھا چائے کا چمچ کڑوے تیل کی مقدار کو اپنی ہتھیلی پر لیں اور بالوں میں لگالیں۔ اسے بالوں کی جڑوں میں لگالیں۔

(4) اپنی انگلیوں کی مدد سے آہستہ آہستہ مساج کریں، آپ کے بال چمکدار لگیں گے۔

■

Mr. Abdul Majeed Makrow
S/O Mr. Abdul Gany
R/O: Arwani Kulgam
P/O: Arwani, Bijbihada - 192124 (J&K)

عظیم اقبال

آواز: توانائی کی ایک شکل

ابتدائیہ

آواز توانائی کی ایک شکل ہے، جو ترنگوں کے وسیلے سے ذرّات میں ارتعاش سے رواں ہوتی ہے۔ ان ترنگوں کو آواز کی ترنگیں (Sound Waves) کہتے ہیں۔ یہ ٹھوس (Solids)، سیال (Liquids) اور گیسوں (Gases) سے ہوکر رواں ہوتی ہے۔ چونکہ خلا (Vacuum) میں ذرات نہیں ہوتے، اس لیے ارتعاش کی عدم موجودگی سے ان کا گزر نہیں ہوتا۔ یہی سبب ہے کہ فضائے بسیط میں آواز کی روانی نہیں ہوتی۔

لہریں

آواز کی لہریں لمبائی کے رخ پر چلتی ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذرّات (Particles) کا اس سمت میں ارتعاش (Vibration) ہوتا ہے، جس سمت میں ترنگیں رواں ہوں۔

پیمائش

ترنگوں کی سرعت (Frequency) کی پیمائش ہرٹز (Hertz-Hz) میں ہوتی ہے۔

آواز کی ترنگیں 20 اور 20,000 کے درمیان انسانی کانوں سے سنی جاسکتی ہیں۔ عام زبان میں اسے ہی آواز کہتے ہیں۔ اس صف بندی (Rang) سے نیچے کی ترنگیں (Infra Sound) اور اس سے اوپر کی ترنگیں (Ultra Sound) کہی جاتی ہیں۔

بالائی آوازیں، جیسے پرندے کے گیت، زیریں آوازیں جیسے کہ کسی بھاری ٹرک کے انجن کی گڑگڑاہٹ کی ترنگیں زیریں سرعت کی ہوتی ہیں۔

زمین پر اترتے ہوئے ہوائی جہاز کی آواز 120 dB ہوتی ہے۔ جہاز کی آواز اس زور کی ہوتی ہے کہ زمینی عملے (Crew) کو کان کے مدافعتی آلات پہننے ہوتے ہیں تاکہ کان میں خرابی نہ آئے۔ زوردار آوازیں اپنی چھوٹی ترنگوں کے ہمراہ ہوتی ہیں۔ چونکہ آواز اپنی ابتدا کے مقام سے دور تک رواں ہوتی ہے، اس کی شدت میں آگے کمی ہوتی ہے، لہٰذا، آواز کم تر ہوتی جاتی ہے۔

رفتار

آواز کی لہریں مختلف رفتار سے مختلف اشیا میں رواں ہوتی ہیں۔ وہ ٹھوس اشیا میں سیال مادے کی بہ نسبت زیادہ تیز رفتار ہوتی ہیں۔ اسی طرح گیسوں کی بہ نسبت سیال مادے میں ان کی رفتار تیز تر ہوتی ہے۔ خشک ہوا میں صفر

ڈگری، سلسیس (Celcius) میں فی سیکنڈ 331 میٹر کی رفتار سے وہ رواں ہوتی ہیں۔ اگر درجۂ حرارت بڑھ جائے تو یہ رفتار بھی بڑھ جاتی ہے۔ درجۂ حرارت کی کمی کے باعث رفتار میں سستی آتی ہے۔

اقسام

وہ رفتار جہاں ان حالات میں آواز تیز تر ہوتی ہے، سپر سونک ساؤنڈ (Super Sonic Sound) سے موسوم ہوتی ہے۔ وہ جو کم تر ہو، وہ سب سونک اسپیڈ (Sub-Sonic Speed) کہی جاتی ہے۔

باز گشت

بازگشت (Echo) آواز کی وہ ترنگ ہے، جو کسی سطح سے منعکس (Reflect) ہوتی ہے اور اصل آواز کے فوراً بعد سنائی دیتی ہے۔ بازگشت کے توسط سے چیزوں کے محل وقوع (Position) کا پتہ چلتا ہے۔

چمگاڈر (Bat) اور ڈولفن (Dolphin) جیسے جانوروں کے ذریعے جس بازگشت کا استعمال ہوتا ہے اسے مقام بازگشت (Echo Location) کہتے ہیں۔ اس کا استعمال جانور اپنے راستے یا شکار کی تلاش کے لیے کرتے ہیں۔

استعمال

(i) سونار (Sonar): اس سے مراد وہ طریقہ ہے، جس کو جہاز راں اپناتے ہیں۔ اس کا مقصد پانی کی گہرائی یا زیر آب موجود چیزوں جیسے جہاز کے ملبوں کے (Wrecks) یا مچھلیوں کے غول (Shoals) کا پتہ لگانے کے لیے ہوتا ہے۔

بتاتے چلیں کہ جہاز پر لگے آلات (Instruments) کے توسط سے بازگشت کا سراغ ملتا ہے۔

(ii) طب میں معاون: بازگشت کا استعمال الٹرا ساؤنڈ اسکیننگ (Ultrasound Scanning) میں بھی ہوتا ہے۔ اس سے جسم کے اندرون میں دیکھا جا سکتا ہے۔ مثال کے لیے کسی حاملہ عورت کے رحم (Womb) میں موجود بچے کے نمو (Growth) کا علم ہوتا ہے۔ مزید، ہڈیاں، پٹھے (Muscles) اور چربی (Fats) الٹرا سونک ترنگوں کو مختلف انداز میں پیش کرتی ہیں۔ کمپیوٹر اس اطلاع کو تصویر میں تبدیل کر دیتا ہے۔

اختتامیہ

آواز قدرت کی ایک دین ہے، جسے سمجھنے کے بعد، اس کے استعمال کے نت نئے راستے کھلتے ہیں۔

آج ہم ان سے استفادہ کر رہے ہیں۔ قرآن کریم میں بار بار مشاہدے اور تجربے کی تلقین ہوئی ہے۔ اسی سے فطرت کے رمز و اسرار واضح ہوتے ہیں۔ ان کا استعمال ہمارے علم کی وسعت کی ضمانت دیتا ہے۔ یہ ہماری کامیابی کا اشارہ بھی ہے۔

عزیز دوستو! اگر دنیا میں آواز نہ ہوتی تو ہم ایک دوسرے سے بات ہی نہ کر پاتے۔ ہم نہ گانا سن سکتے نہ نظمیں، نہ پرندوں کی پیاری آوازیں۔ ہنسی خوشی اور دکھ کی آوازیں کبھی ہمیں سنائی نہ دیتیں۔ خلاصہ یہ کہ آواز ہماری زندگی کو خوب صورت اور معنی خیز بناتی ہے۔

■

Azim Iqbal
Adabistan, Ganj No: 1
Bettiah- 845439 (Bihar)
Mob.: 9006502649
mynetwork4567@gmail.com

عطا عابدی

ہوا سے باتیں

یہ بات ان دنوں کی ہے، جب میں چوتھے پانچویں درجہ کا طالب علم تھا۔ مہاراجہ رانا پرتاپ کے گھوڑے چیتک کے بارے میں پڑھا کہ وہ دوڑتا تو ہوا سے باتیں کرتا تھا۔ اسکول کے تیز دوڑنے والے ساتھی کے بارے میں استاد محترم بولتے : ’’تم تو دوڑتے وقت ہوا سے بات کرنے لگتے ہو۔‘‘

میری سمجھ میں ان دنوں یہ بات نہیں آتی تھی کہ جب ہم ہوا کو دیکھ نہیں پاتے، اس کی بات نہیں سن پاتے تو پھر کوئی کس طرح ہوا سے بات کر لیتا ہے؟ دل میں یہ تمنا پیدا ہوتی کہ کاش مجھے بھی خوب تیز دوڑ نا آتا تو ہوا سے بات کر لیتا۔ استاد سے یہ بات پوچھنے کی ہمت نہیں ہوتی۔ سوچتا، کہیں استاد بگڑ نہ جائیں یا ہمارے ساتھی ہماری اس لاعلمی پر ہنسنے نہ لگیں۔ کئی دن تک یہ سوال ذہن میں گردش کرتا رہا۔ یہ سوال ذہن پر اتنا حاوی ہوا کہ ایک رات خواب میں ہوا کی سرسراہٹ محسوس ہوئی اور ایک آواز ابھری:

’’ڈریے مت، میں ہوا ہوں۔ مجھے معلوم ہے، آپ کئی دن سے ہوا سے بات کرنے سے متعلق سوچ رہے ہیں۔ ہوا سے بات کرنے کا مطلب وہ نہیں ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ میرے یعنی ہوا کے تیز چلنے سے آندھی طوفان کا منظر بنتا ہے لہٰذا آندھی طوفان کی طرح چلنے یا دوڑنے والے کے بارے میں ہوا سے بات کرنے کی بات کہی جاتی ہے۔ خیر، یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ہوا سے بات کرنے سے متعلق آپ کو کئی دن تک تجسس رہا۔ تجسس اور تلاش سے ہی سائنس نے ترقی کی ہے۔ میرے بارے میں اور کچھ پوچھنا چاہتے ہیں تو بولیے۔‘‘

میں : ’’ہوا کی اہمیت کیوں ہے؟‘‘

ہوا: ’’میں (یعنی ہوا) زندگی کی سب سے بڑی ضرورت ہوں۔ زندگی کے لیے یوں تو اور کئی چیزیں اہمیت رکھتی ہیں، لیکن ان میں پہلی ضرورت میں ہوں۔ تین چیزیں بنیادی بنیادی نوعیت نوعیت کی ہیں ان چیزوں میں پہلی چیز میں ہوں، مجھ سے یعنی ہوا سے

سانس کا عمل جاری ہے۔ دوسری چیز پانی ہے جو پینے اور صاف صفائی نیز انسانوں کے علاوہ حیوانوں اور پیڑ پودوں کے کام آتی ہے اور تیسری چیز غذا ہے۔ ان پر غور کیجیے تو پائیں گے کہ پانی اور غذا کے بغیر تو کسی طرح کوئی چند دن زندہ رہ سکتا ہے لیکن میرے یعنی ہوا کے بغیر چند لمحات بھی شاید ہی رہا جاسکتا ہے۔ یعنی میری ضرورت ہر لمحہ ہے۔
سانس کے علاوہ میری وجہ سے موسموں کے اثرات واضح ہوتے ہیں اور فضائیں راحت کا سبب ہوتی ہیں۔ ان باتوں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی متعدد اہم نعمتوں میں ہوا سب سے بڑی نعمت ہے۔ ان نعمتوں کے لیے اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔''

میں ''جی، اللہ کا شکر ہر حال میں ادا کرتے رہنا چاہیے۔''

ہوا: ''لیکن... لیکن افسوس ہے کہ کچھ انسان کی غلطیوں کی وجہ سے میں روز بروز آلودہ ہوتی جارہی ہوں۔ صاف اور صحت مند ماحول بنانے اور اسے قائم رکھنے کی میری خاصیت متاثر ہورہی ہے۔''

میں ''ہاں، ہوا کی آلودگی کے چرچے میں بھی سنتا رہتا ہوں۔ یہ بڑا المیہ ہے۔ آخر اس آلودگی کا سبب کیا ہے؟''

ہوا: ''صنعت وحرفت کی بے ترتیب وسعت اور خراب گیسوں کے اخراج والی مشینوں گاڑیوں کے غیر منظّم استعمال کے سبب ہوا کی آلودگی آج کا بڑا مسئلہ ہے۔''

میں : ''اس آلودگی کے تو بڑے نقصانات سامنے آرہے ہوں گے؟''

ہوا: ''بالکل۔ ہوا کی آلودگی کے سبب آج زندگی دشوار ہوتی جارہی ہے۔ طرح طرح کے امراض پیدا ہورہے ہیں۔ سانس کی پریشانیاں جیسے کھانسی، دمہ، ٹی بی وغیرہ کی نت نئی شکلیں عام ہورہی ہیں۔ ماحولیات کا توازن بگڑ رہا ہے۔ انسانوں اور جانوروں کے ساتھ ساتھ پیڑ پودوں کی جان کو بھی خطرہ درپیش ہے۔''

میں ''تب تو ہوا کو آلودہ ہونے سے بچانا لازم ہے؟ اس کے لیے ہمیں کیا کرنا ہوگا؟''

ہوا: ''ہوا کو آلودگی سے بچانے کی کئی تدابیر ماہرین نے پیش کی ہیں۔ ہمیں ان تدابیر پر عمل کرنا چاہیے۔''

میں : ''کچھ تدابیر ہمیں بھی بتائیں تاکہ ساتھیوں کی مدد سے ان پر عمل کرنے کی کوشش کروں۔''

ہوا: '' آپ کا جذبہ قابل قدر ہے۔ سب سے مؤثر تقدیر زیادہ سے زیادہ دست لگانے کی ہے۔ درخت کی غیر ضروری کٹائی کو روکنے کی ہے۔ مشینوں کے کیمیاوی فضلات اور گاڑیوں کے دھوئیں پر قابو پانا ضروری ہے۔ ہوا کو صاف رکھنے کی تدابیر پر عمل نہ کیا گیا تو سبھوں کی زندگی خطرے سے قریب ہوتی جائے گی۔''

میں : ''آپ کا اندیشہ درست ہے۔''
ایک بات یہ کہ پانی اور غذا کو تو ہم دیکھتے ہیں، چھوتے ہیں، کھاتے ہیں۔ لیکن... ہوا کو ہم...''

ہوا: ''ہاں، میں نظر نہیں آتی لیکن محسوس کی جاتی ہوں۔ میں چلتی ہوں تو اپنے لمس سے آپ کو اپنا احساس کراتی ہوں۔ کھیتوں باغیچوں میں پودوں اور باغ میں یا سڑک کنارے درختوں کے پتوں کو ہلنے ڈولنے

اور جھومنے کی طاقت دیتی ہوں۔ انھیں متحرک رکھتی ہوں۔ میں جب زور سے چلتی ہوں تو سرسراہٹ یا سنسناہٹ سنائی دیتی ہے، اسے آپ میری آواز کہہ سکتے ہیں۔ یہ آواز آپ نے بھی سنی ہوگی۔

میں : ''ہوا کی سرسراہٹ میں نے محسوس کی ہے۔ دوڑتے وقت ایسا لگتا ہے جیسے مجھے ہوا آگے جانے سے روک رہی ہے...''

ھوا: ''ہاں، جو کوئی مخالف سمت میں چلتا یا دوڑتا ہے تو میں روکنے کی کوشش کرتی ہوں۔''

میں : ''ایسا کیوں کرتی ہیں؟''

ھوا: ''رکاوٹ بننے کی میری خاصیت کے کئی فائدے بھی ہیں۔

میں : ''اچھا! کون سے فائدے۔ جیسے...''

ھوا: ''اس کے سبب پرندے اڑ پاتے ہیں۔ کشتیاں اپنی سمت و رفتار کو سالم اور متوازن رکھتی ہیں۔ یہی نہیں، آپ! اپنی پتنگوں کو بھی اڑاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ناؤ اور ہوائی جہاز یہاں تک کہ جیٹ طیارے وغیرہ کے اگلے حصے کو دونوں طرف سے چپٹا یا نوکدار بنایا جاتا ہے تاکہ ہوا کی روکنے کی طاقت، اس کی قوت مزاحمت کم ہو کمزور ہو۔''

میں : ''سنا ہے، ہوا کی وجہ سے ہی آگ جلتی ہے؟''

ھوا: ''صحیح سنا ہے۔ گزشتہ ماہ کی سردی میں آپ نے دیکھا ہوگا کہ سی الاؤ کو ڈھانپ دیا گیا یا کسی جگہ جلتی ہوئی کسی چیز کو پوری طرح ڈھک دیا گیا یعنی ہوا کا راستہ بند کر دیا گیا تو آگ بجھ گئی۔''

میں : ''یعنی آگ آپ کی لگائی ہوئی ہے...''

ھوا: ''نہیں، ایسا نہیں ہے۔ ہوا کا کچھ حصہ آگ کے جلنے میں معاون ہوتا ہے۔ بڑا حصہ آگ کے جلنے میں معاون نہیں ہوتا۔''

میں : ''ان دونوں حصوں کے بارے میں بھی بتائیں۔''

ھوا: ''ضرور بتاؤں گی۔ میرے ان دونوں حصوں کے الگ الگ نام ہیں۔ ہوا کا وہ حصہ جو کسی چیز کے جلنے کا سبب بنتا ہے، اس اور جو حصہ آگ جلانے میں معاون نہیں ہوتا، اس کا بڑا حصہ نائٹروجن کے نام سے جانا جاتا ہے۔ یہ دونوں گیسیں ہیں۔''

میں : ''یعنی ہوا کا وجود آکسیجن اور نائٹروجن کے ملنے سے بنا؟''

ھوا: ''ہاں، بالکل۔ میں آکسیجن اور نائٹروجن کے ملنے سے بنی ہوں۔ میرے کچھ دوسرے اجزا بھی ہیں لیکن آکسیجن اور نائٹروجن ہی دو بڑے اجزا ہیں۔''

میں : ''ان اجزا کے بارے میں بھی جاننا چاہتا ہوں''

ھوا: ''آپ کا تجسس متعدد معلومات کا متمنی ہے۔ لیکن آپ کی عمر کے لحاظ سے ہوا کے بارے میں بالکل ابتدائی نوعیت کی عام معلومات دے دی گئیں۔ کوشش کروں گی کہ اگلی بار اپنے اور اپنے اجزا سے متعلق عام باتوں کو اور زیادہ آسان انداز میں بتاؤں۔

ایک بات اور، اپنے استاد سے معلومات حاصل کرنے میں ہچکچایا نہ کریں۔ اب تو آپ کی بھی ہوا سے بات ہوگئی۔ خوش تو ہوگے؟ ہوں گے آپ؟''

■

Ata Abidi
C/o Book Emporium , Sabzi Bagh
Patna - 800004
Mob : 7903021559
ataabidi100@gmail.com

شاداب شمیم

ایک سچ مچ کے راج کمار کی کہانی

ایک سچ مچ کے راج کمار کی کہانی معروف افسانہ نگار اور ادیبہ ذکیہ مشہدی کی ایک اہم اور دلچسپ تصنیف ہے، جو خاص طور پر بچوں کے لیے لکھی گئی ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے دنیا کی عظیم روحانی شخصیات میں سے ایک مہاتما گوتم بدھ کی حیات و تعلیمات کو نہایت سادہ، سلیس اور دل نشیں انداز میں پیش کیا ہے۔ بچوں کے ادب میں کسی عظیم تاریخی و مذہبی شخصیت کو اس طرح بیان کرنا کہ وہ نہ صرف قابلِ فہم ہو بلکہ دل میں اتر جائے، ایک بڑا فنی چیلنج ہے اور ذکیہ مشہدی اس چیلنج میں پوری طرح کامیاب نظر آتی ہیں۔

ذکیہ مشہدی اردو زبان و ادب کی ایک معروف اور معتبر شخصیت ہیں۔ انھوں نے اپنی تخلیقی صلاحیت، فنی ریاضت اور گہرے مشاہدہ کے ذریعے اردو فکشن کو نئی جہتیں عطا کی ہیں۔ ان کا شمار صف اول کے افسانہ نگاروں میں ہوتا ہے۔ ابتدا میں وہ ذ۔ احمد کے نام سے لکھتی تھیں، مگر معروف افسانہ نگار سید شفیع مشہدی سے شادی کے بعد انھوں نے ذکیہ مشہدی کے نام سے اپنی ادبی شناخت قائم کی، جو آج اردو دنیا میں کسی تعارف کی محتاج نہیں۔

ان کے افسانوی مجموعوں میں پرائے چہرے، تاریک راہوں کے مسافر، صدائے بازگشت، نقش ناتمام اور یہ جہان رنگ و بو شامل ہیں۔ ان مجموعوں کو ادبی حلقوں میں بے حد پذیرائی ملی اور ان کے کئی افسانے اردو کی اہم تخلیقات میں شمار کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کا ناول 'بلہا کیہہ جاناں میں کون' بھی خاصا مشہور ہوا اور قارئین و ناقدین دونوں کی توجہ حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ ان کی ادبی خدمات کے اعتراف میں انھیں قومی اور بین الاقوامی سطح کے کئی اہم اعزازات سے نوازا جاچکا ہے، جن میں غالب ایوارڈ (2016)، ساہتیہ اکیڈمی ایوارڈ (2018)، اقبال سمان (2019)، صوفی جمیل اختر میموریل ایوارڈ (2020) اور عالمی فروغ اردو ادب ایوارڈ قطر (2003) خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

ایک سچ مچ کے راج کمار کی کہانی میں ذکیہ مشہدی نے بچوں کے ذہن اور ان کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نہایت موزوں الفاظ اور جملے استعمال کیے ہیں۔ کہانی کا اسلوب رواں، شگفتہ اور قصہ گوئی سے بھرپور ہے جس کی بدولت بچہ اکتاہٹ محسوس نہیں کرتا بلکہ دلچسپی کے ساتھ مطالعہ جاری رکھتا ہے۔ کتاب میں گوتم بدھ کے والد شدودھن اور والدہ مہامایا کا ذکر بھی نہایت سادہ اور وضاحتی انداز میں کیا گیا ہے تاکہ بچے ان کے خاندانی پس منظر کو سمجھ سکیں۔

مصنفہ نے بڑی خوبصورتی سے بتایا ہے کہ راج کمار ہونے کے باوجود گوتم بدھ کو عیش و عشرت اور شاہانہ زندگی سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ بچپن ہی سے دنیا میں پھیلے اونچ

نیچ، امیر غریب کے فرق، دکھ درد اور تشدد کو دیکھ کر متفکر رہتے تھے۔ ان کے دل میں بار بار یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ آخر انسان کے دکھوں کا حل کیا ہے اور حقیقی سکون کیسے حاصل کیا جاسکتا ہے اسی فکر نے انھیں گھر بار، آرام و آسائش چھوڑ کر سچ کی تلاش پر آمادہ کیا۔

کتاب میں گوتم بدھ کی ریاضت اور جدوجہد کا نہایت مؤثر بیان ہے۔ مصنفہ بتاتی ہیں کہ وہ نرنجنا ندی کے کنارے سخت ریاضت میں مشغول رہے۔ آج اس ندی کو پھلگو ندی کہا جاتا ہے اور یہ علاقہ بودھ گیا کے نام سے مشہور ہے۔ ذکیہ مشہدی نے اس مقام کی قدرتی خوبصورتی، ہریالی اور سکون بخش ماحول کو ایسے بیان کیا ہے کہ قاری کے ذہن میں اس کا ایک دلکش منظر ابھر آتا ہے۔ گوتم بدھ برگد کے پیڑ کے نیچے پدم آسن میں بیٹھ کر مراقبہ کرتے تھے۔ سخت ریاضت اور فاقہ کشی کے باعث ان کا جسم ہڈیوں کا ڈھانچا بن گیا تھا۔

اسی دوران سجاتا نامی ایک لڑکی کھیر لے کر وہاں آئی اور گوتم بدھ کو پیش کیا۔ اس نے بڑی دانائی کی بات کہی کہ اگر جسم اذیت میں ہو تو عبادت اور دھیان ممکن نہیں۔ اس واقعے کے ذریعے مصنفہ نے بچوں کو اعتدال اور توازن کا سبق دیا ہے۔ گوتم بدھ نے کھیر قبول کر لی اور اس کے بعد انھیں یہ حقیقت سمجھ میں آئی کہ روحانی ترقی کے لیے جسم کا صحت مند ہونا بھی ضروری ہے۔

اس کے بعد گوتم بدھ نے پیپل کے پیڑ کے نیچے دھیان لگایا اور یہی وہ مقام ہے جہاں انھیں نروان یا عرفان حاصل ہوا۔ عرفان کے بعد وہ شاکیہ راج کمار سے مہاتما گوتم بدھ کہلائے اور اپنی تعلیمات کو عام لوگوں تک پہنچانے لگے۔ روایات کے مطابق انھیں جولائی کے مہینے میں 528 قبل مسیح، پورے چاند کی رات عرفان حاصل ہوا اور یہی دن بعد میں ان کے وصال کا دن بھی بنا۔ اسی مناسبت سے بدھ مت کے پیروکار ہر سال بدھ پورنیما کا تہوار عقیدت اور جوش و خروش کے ساتھ مناتے ہیں۔

کتاب میں گوتم بدھ کی تعلیمات کو بھی بچوں کی فہم کے مطابق سادہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی تعلیمات میں عدم تشدد (اہنسا) کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ذکیہ مشہدی واضح کرتی ہیں کہ بدھ کے نزدیک تشدد صرف قتل یا توڑ پھوڑ کا نام نہیں، بلکہ چوری کرنا، گالی دینا، غیبت کرنا اور جھوٹے الزام لگانا بھی تشدد ہی کی شکلیں ہیں۔ اس طرح یہ کتاب بچوں کی اخلاقی تربیت کا ایک مؤثر ذریعہ بن جاتی ہے۔

کتاب میں گوتم بدھ کی تعلیمات کو بھی بچوں کی فہم کے مطابق سادہ اندازمیں بیان کیا گیا ہے۔ ان کی تعلیمات میں عدم تشدد (اہنسا) کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ ذکیہ مشہدی واضح کرتی ہیں کہ بدھ کے نزدیک تشدد صرف قتل یا توڑ پھوڑ کا نام نہیں، بلکہ چوری کرنا، گالی دینا، غیبت کرنا اور جھوٹے الزام لگانا بھی تشدد ہی کی شکلیں ہیں۔

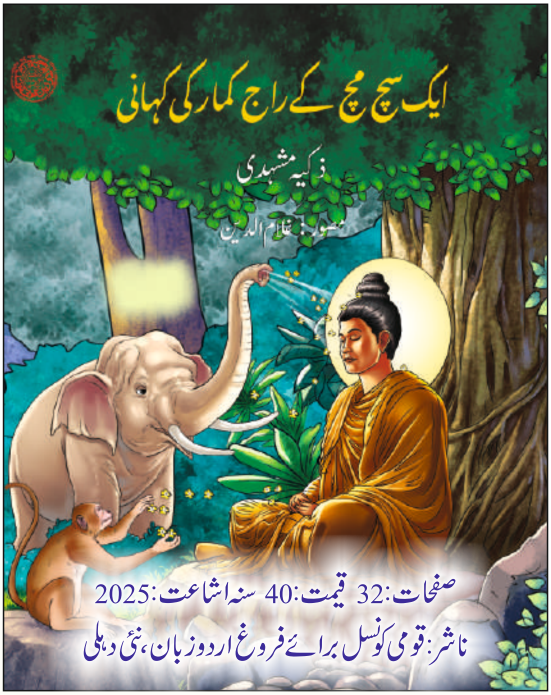

گوتم بدھ نے اپنی بات لوگوں تک پہنچانے کے لیے پالی زبان استعمال کی، تاکہ عام انسان بھی ان کی تعلیمات کو سمجھ سکے۔ بعد میں ان کی تعلیمات اسی زبان میں محفوظ کی گئیں۔ ان کے آخری ایام شراوستی، ویشالی اور پھر کشی نگر میں گزرے، جہاں 80 برس کی عمر میں ان کا انتقال ہوا۔

آج بودھ گیا (بہار) میں ایک عظیم الشان مندر اور ایک قدیم پیپل کا درخت موجود ہے، جس کا شجرہ اسی درخت سے ملتا ہے جس کے نیچے گوتم بدھ کو نروان حاصل ہوا تھا۔ دنیا بھر سے بدھ مت کے زائرین یہاں آتے ہیں۔ موجودہ دور میں بھی گوتم بدھ کی تعلیمات عالمی سطح پر امن، برداشت اور انسانی ہمدردی کی علامت سمجھی جاتی ہیں اور ہندوستان کو ان جیسی عظیم شخصیت پر بجا طور پر ناز ہے۔

الغرض، ایک سچ مچ کے راج کمار کی کہانی نہ صرف بچوں کے لیے ایک معلومات اور دلچسپ کتاب ہے بلکہ اخلاقی اقدار، امن اور انسان دوستی کا بہترین سبق بھی ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کتاب کو قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان نے شائع کیا ہے، جو اردو زبان کے فروغ اور معیاری کتابوں کی اشاعت کے لیے ایک معتبر ادارہ ہے۔ اس کتاب کی طباعت نہایت صاف ستھری اور دل کش ہے۔ کاغذ کا معیار بھی عمدہ ہے، جو خاص طور پر بچوں کی دلچسپ اور ان کے ذوق کو سامنے رکھ کر منتخب کیا گیا ہے۔

کتاب کی ایک اور خوبی اس کی تصاویر ہیں۔ الیسٹریٹر نے کہانی کے مطابق تصاویر بنائی ہیں جو بچوں کو اپنی طرف متوجہ کرتی ہیں اور کہانی کو سمجھنے میں مدد یتی ہیں۔ تصاویر نہ تو بہت بھاری ہیں اور نہ ہی الجھن پیدا کرتی ہیں، بلکہ سادہ اور دل نژیں ہیں۔ ان کے ذریعے بچے کہانی کے کرداروں اور واقعات کو بہتر طور پر محسوس کر سکتے ہیں۔

واضح طور پر محسوس ہوتا ہے کہ اس کتاب کو تیار کرنے میں کافی محنت کی گئی ہے۔ موضوع کے انتخاب سے لے کر زبان، طباعت اور پیش کش تک ہر مرحلے میں معیار کا خیال رکھا گیا ہے۔ مجموعی طور پر یہ کتاب بچوں کے لیے ایک مفید اضافہ ہے اور اسکولوں، لائبریریوں اور گھریلو مطالعے کے لیے ایک بہترین انتخاب ثابت ہو سکتی ہے۔

■

Md. Shadab Shamim
D-35, Shaheen Bagh, Jamia Nagar, Okhla
New Delhi -110025
Mob.: 9643885605
shadabrampuri@gmail.com

تاریخی، سائنسی اور ثقافتی معلومات

معلوماتِ عامہ بچوں کے کیریئر اور مستقبل سازی کے لیے بہت ضروری ہے۔ جنرل نالج پوری دنیا سے جوڑنے کا ایک مؤثر ترین ذریعہ ہے۔ اسی کے ذریعے مسابقہ جاتی امتحانات میں کامیابی کے دروازے کھلتے ہیں، اس لیے بچے اگر ابھی سے تاریخ، ادب وثقافت، سماج اور سائنس کے موضوعات اور معلومات پر اپنی توجہ مرکوز کریں تو مستقبل میں ان کے لیے راہیں آسان ہوجائیں گی۔

1. GDP کا فل فارم کیا ہے؟
2. قومی یوم سائنس کب منایا جاتا ہے؟
3. پارکر کمپنی کس چیز کے لیے مشہور ہے؟
4. نائٹ واچ مین کی اصطلاح کس کھیل میں رائج ہے؟
5. ڈیزل انجن کس نے دریافت کیا؟
6. ہندوستان کے سب سے بڑے آڈیٹوریم کا نام بتائیں؟
7. رقبے کے لحاظ سے ہندوستان کا سب سے بڑا شہر کون سا ہے؟
8. ہندوستان کے سب سے مصروف ترین ہوائی اڈے کا نام بتائیں؟
9. رقبے کے لحاظ سے ہندوستان کی سب سے چھوٹی ریاست کا نام بتائیں؟
10. ٹائٹن کمپنی کس چیز کے لیے مشہور ہے؟
11. 'ماسٹر بلاسٹر' کا خطاب کس کھلاڑی کو دیا گیا؟
12. بھاپ کے انجن کا موجد کون ہے؟
13. ہندوستان کا سب سے اونچا پہاڑ کون سا ہے؟
14. ریڈ کراس کا نشان کس رنگ کا ہوتا ہے؟
15. ہندوستانی آئین کب نافذ ہوا؟
16. امیزون کمپنی کس شعبے سے متعلق ہے؟
17. سورج کے سب سے قریب سیارہ کون سا ہے؟
18. 'انڈین اسپیس ریسرچ آرگنائزیشن' کا صدر دفتر کہاں ہے؟
19. 'گیان پیٹھ ایوارڈ' کس شعبے سے متعلق ہے؟
20. 'بلوگراس' کس کھیل سے متعلق اصطلاح ہے؟

(جواب صفحہ نمبر 24 پر ملاحظہ فرمائیں)

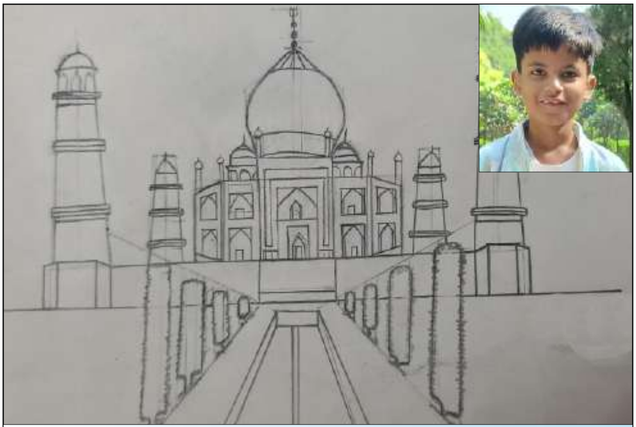

ارحم توفیق، درجہ دوم، ورلڈ ایجوکیشن اسکول، شاہین باغ، نئی دہلی

مریم عبدالسلام انصاری، درجہ سوم، جبیبی پرائمری اسکول، دھولیہ، مہاراشٹرا

انصاری فرزین الطاف حسین، درجہ ہشتم، ایل ایم سردار ہائی اسکول دیوپار، دھولیہ مہاراشٹرا

اشمیرہ سعدیہ شیخ رفیق، جماعت پنجم، ضلع پریشد اردو اسکول، جلگاؤں، ضلع بلڈھانہ، مہاراشٹرا

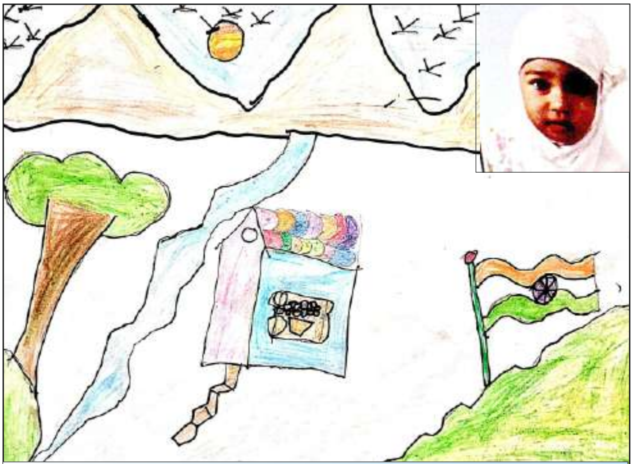

اریبہ عبدالباسط انصاری، درجہ اوّل، جبیبی پرائمری اسکول، دھولیہ، مہاراشٹرا

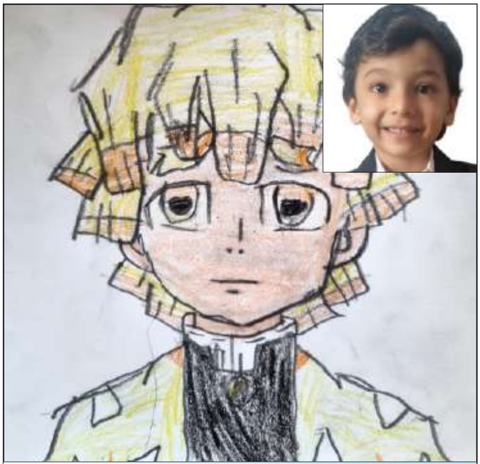

ارقم پرویز کاکر، جماعت سوم، اولیونیشنل اسکول، پونے

محمد عمار عبدالباسط انصاری، درجہ ہشتم، سوئیس اردو ہائی اسکول دھولیہ، مہاراشٹرا

طلحہ شیخ سلیمان، جماعت پنجم (الف)، مولانا محمد علی جوہر اردو ہائی اسکول اورنگ آباد، مہاراشٹرا

ماریہ اے جے فاطمہ، درجہ ہفتم، نیشنل وکٹر پبلک اسکول، نیو جعفر آباد، دہلی

انشرح انجم شیخ یوسف، جماعت سوم، ضلع پریشد اردو اسکول، جلگاؤں، مہاراشٹرا

میسرہ، جماعت ہشتم، اورنگ آباد، مہاراشٹرا

علی اصغر، درجہ سوم، مارڈن ڈے اسکول، کولکاتا

مسرت پروین، جماعت نہم، داؤد میموریل اردو گرلس ہائی اسکول، سیوان، بہار

ارتضیٰ ذکی، گورنمنٹ اردو گرلس ہائی اسکول، برہان پور

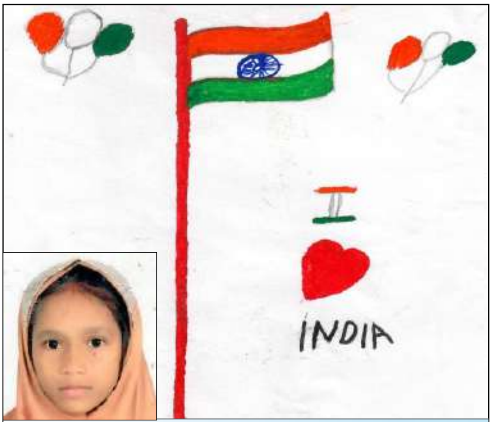

عائشہ صدیقہ خورشید عالم انصاری، جماعت پنجم
میونسپل کارپوریشن اسکول، بھیونڈی

مسفرہ عبدالباسط، درجہ پنجم، حبیبی پرائمری اسکول، دھولیہ، مہاراشٹرا

عائشہ بی شیخ مشتاق، جماعت ششم، گورنمنٹ اردو گرلس ہائر سیکنڈری اسکول، حریر پورہ، مدھیہ پردیش

ثنا پروین، جماعت نہم، داؤد میموریل اردو گرلس ہائی اسکول، سیوان، بہار

ساران علی سکندر علی، جماعت ہشتم، اسماعیل بھائی عبداللہ بھائی سروری ہائرسیکنڈری اسکول، برہان پور، مدھیہ پردیش

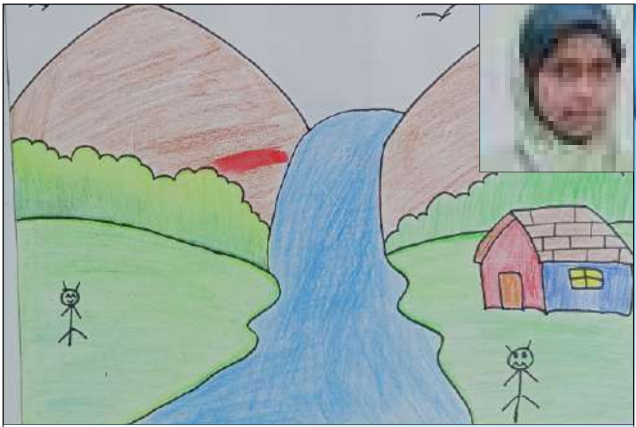

آروی فاطمہ، درجہ سوم، اولیوا اکیڈمی، چلما پور، گورکھپور

مسکان پروین، جماعت نہم، داؤد میموریل اردو گرلس ہائی اسکول، سیوان، بہار

سید عمر سید عثمان، نیو اردو ماڈل اسکول، شاہ پور، برہان پور

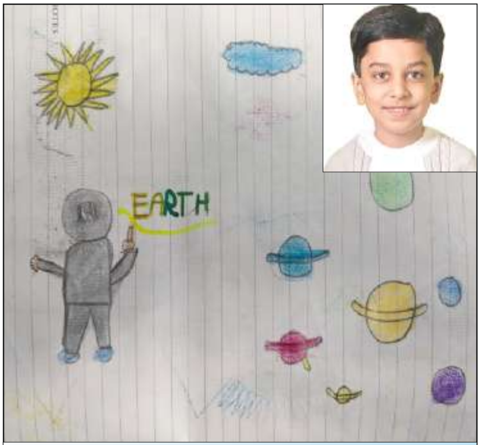

محمد روحان، کلاس دوم، اینجل نرسری اینڈ پرائمری اسکول
لال کنواں، دہلی 110006

سالیہ اے دھلایت، درجہ ہشتم، الہدیٰ اردو پرائمری اینڈ ہائی اسکول، وجے پور، کرناٹک

قلم کاروں سے چند باتیں

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' ایک مقبول رسالہ ہے جس میں بچوں کے ذہن اور نفسیات کو نظر میں رکھتے ہوئے معلوماتی مضامین، دلچسپ کہانیاں، پیاری پیاری نظمیں اور دیگر مفید تحریریں شائع کی جاتی ہیں۔ اس رسالے میں کوشش کی جاتی ہے کہ پورے ہندوستان کی نمائندگی ہو مگر بسیار کوشش کے باوجود بہت سے علاقوں کی متناسب نمائندگی نہیں ہو پاتی ہے۔ایسے علاقوں کے ادیبوں کی جستجو ہماری ترجیحی فہرست میں شامل ہے۔

قلم کاروں سے گذارش ہے کہ بچوں کی دنیا کے لیے تحریریں بھیجتے وقت درج ذیل امور کا خاص خیال رکھیں:

- بچوں کے لیے صرف وہی تخلیق ارسال کریں جس سے ان کی معلومات اور آگہی میں اضافہ ہو، خاص طور پر وہ تحریریں جو بچوں میں مطالعے کی تحریک اور ترغیب پیدا کریں۔
- تخلیق کی زبان آسان ہو، مشکل الفاظ سے گریز کریں تو بہتر ہوگا۔
- تخلیق غیر مطبوعہ ہو۔کسی اخبار/ مجلّے میں ارسال نہ کی گئی ہو۔
- مضمون ان پیج پروگرام میں ہو اور 1200 (بارہ سو) الفاظ سے کم اور 2000 الفاظ سے زیادہ نہ ہو۔
- مضمون کے ساتھ اپنا تعارف مع تصویر ارسال فرمائیں۔تعارف میں بچوں کے لیے لکھی گئی کتابوں اور مضامین کا اندراج ضرور فرمائیں۔
- مضمون میں اعداد و شمار رومن میں لکھیں۔
- مضمون ادارے کے مزاج، معیار اور پالیسی کے منافی نہ ہو۔
- تخلیق کی اشاعت کے درمیان کم سے کم تین (3) ماہ کا فاصلہ لازمی ہے۔اس سے کم مدت میں تخلیق کی اشاعت کے لیے اصرار نہ فرمائیں۔
- کسی دوسری زبان کا ترجمہ اصل متن کے ساتھ ارسال کریں اور مصنف کا اجازت نامہ بھی منسلک کریں۔
- مضمون میں پہلے یا آخری صفحے پر مضمون نگار کا نام، مکمل پتہ مع پن کوڈ (انگلش میں) اور موبائل نمبر ضروری ہے۔

مضمون کی منظوری ایڈیٹوریل ریویو کے بعد ہی دی جائے گی۔

قلم کار حضرات اخلاقی ضوابط Ethical guidelines کا پورا خیال رکھیں۔

ماہنامہ 'بچوں کی دنیا' کو زیادہ مفید مطلب بنانے کے لیے آپ سب کے مشوروں اور تعاون کی ضرورت ہے۔

—ادارہ

बच्चों की दुनिया मासिक, फरवरी 2026, वर्ष 14, अंक 02
BACHON KI DUNIYA Monthly, February 2026 Vol. 14, Issue: 02
National Council for Promotion of Urdu Language
Ministry of Education, Department of Higher Education, Government of India

RNI NO. DELURD/2013/50375
ISSN 2350-1286
Date of Publication : 11/01/2026
Date of Dispatch: 12 and 13 of advance Month
Total Pages: 64

سوچھ بھارت
ایک قدم صفائی کی جانب

بچوں کے لیے قومی اردو کونسل کی چند دلچسپ کتابیں

صفحات: 29، قیمت: 25 روپے

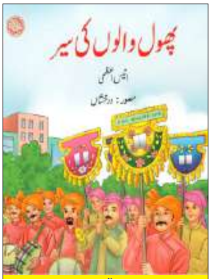

صفحات: 33، قیمت: 40 روپے

صفحات: 32 ، قیمت: 40 روپے

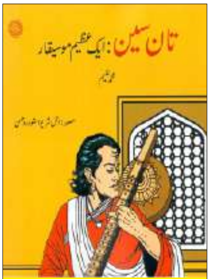

صفحات: 20، قیمت: 30 روپے

صفحات: 17، قیمت: 25 روپے

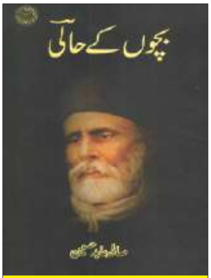

صفحات: 43، قیمت: 20 روپے

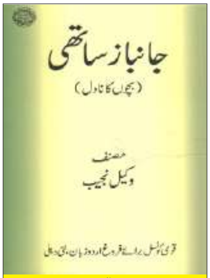

صفحات: 200، قیمت: 50 روپے

صفحات : 43، قیمت: 15 روپے

خریداری کے لیے رابطہ کریں:

شعبۂ فروخت: قومی کونسل برائے فروغِ اردو زبان، ویسٹ بلاک 8، وِنگ 7، آر کے پورم، نئی دہلی-110066
فون: 26109746-011، فیکس: 26108159-011، E-mail.: sales@ncpul.in

Printed and Published by Dr. Md Shams Equbal, Director NCPUL, on behalf of National Council for Promotion of Urdu Language, and printed at Makoff Printers, B - 127, Sector 65, Noida, U.P
And Published at Farogh-E-Urdu Bhawan, FC-33/9, Institutional Area, Jasola, New Delhi -110025.